Regd. L. No.7243

Phone

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

فروری 1976

اس پرچہ میں

رامے صاحب کی "تربوزی مسلم لیگ"

(اوپر سے سبز ۔ اندر سے سرخ)

شائع کردہ ادارہ طلوعِ اسلام ۔ ۲۵ بی ۔ گلبرگ ۔ لاہور

قیمت فی پرچہ ایک روپیہ پچاس پیسے

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

قیمت فی پرچہ	ٹیلی فون نمبر	بدلِ اشتراک
۱ ۱/۲ ڈیڑھ روپیہ	۸۰۸۰۰ خط و کتابت ناظم ادارۂ طلوعِ اسلام ۲۵/بی - گلبرگ ۲ لاہور	سالانہ پاکستان — ۱۸ روپے غیر ممالک — ۲ پونڈ
شمارہ ۲	فروری ۱۹۷۶ء	جلد ۲۹

فہرست

۱- لمعات ۲
۲- اب قرآن کی باری آئی! ۱۷
۳- حقائق و عبر ... (۱) مسٹر اور مہاتما میں فرق - (۲) قائدِ اعظمؒ کے خلاف سازش - (۳) یہ مکتبِ فکر ہیں فرقے نہیں! (۴) ہفتہ نفاذِ شریعت - (۵) طوعاً نہیں تو کرہاً - (۶) ہوئے تم دوست جس کے - (۷) ایک بڑا اہم غور طلب مسئلہ - ۲۱
۴- رابطۂ باہمی ...... (بزمِ لندن) ۳۰
۵- باب المراسلات ...... (۱) فرقے کی پہچان - (۲) کیا یہ قرآن شریف میں ہے؟ ۳۱
۶- دشمن کی شہادت ۳۵
۷- معتزِ دین ...... (دیوبندی نقطۂ نگاہ) ۴۱
۸- رسالۃ المسجد کانفرنس مکہ مکرمہ ...... (شاہد عادل میانوالی) ۵۴
۹- چشمِ اشکبار ...... (شیخ عبدالحق - سیئر ایڈووکیٹ لاہور) ۵۹

ایڈیٹر محمد خلیل - ناشر سراج الحق - مقامِ اشاعت ۲۵/بی گلبرگ ۲ لاہور - پرنٹر شیخ نیاز احمد - مطبوعہ علمی پرنٹنگ پریس ہسپتال روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

روزنامہ نوائے وقت (لاہور) کی ۲۸ دسمبر ۱۹۷۵ء کی اشاعت میں، حسب ذیل خبر (مع عنوانات) شائع ہوئی ہے:-

ریٹائرڈ سرکاری افسر کے دو کمسن بچوں نے بھوک کی شدت سے دم توڑ دیا
پنشن اچانک بند ہو گئی تھی اور اس نے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا گوارا نہ کیا
بدنصیب ریٹائرڈ افسر کی بیوی اور چھ بچے عید کے روز سے لاپتہ ہیں

لاہور ۲۷ دسمبر (نمائندہ خصوصی) نامساعد حالات کے شکار ایک ریٹائرڈ سرکاری افسر قدرت اللہ کے دو کم سن بچے گذشتہ بائیس روز کے دوران بھوک اور پیاس سے دم توڑ گئے اور وہ خود بھی جاں بلب ہے۔ اس روح فرسا سانحہ کا پس منظر یہ ہے کہ قدرت اللہ ریٹائرڈ سرکاری افسر ہے۔ اسے چھ سو روپے ماہوار پنشن ملتی تھی جو اچانک بند ہو گئی اور اب وہ کوٹ لکھپت کے گرین ٹاؤن میں چند ماہ سے ایک کوارٹر میں رہ رہا تھا۔ اس کی بیوی جو محنت مزدوری کر کے خاندان کا پیٹ پال رہی تھی اپنے چھ بچوں کے ہمراہ بقر عید پر گھر سے محنت مزدوری کے لئے نکلی مگر اب تک واپس نہیں آئی۔ وہ کسی حادثے کا شکار ہوئے یا کسی جرائم پیشہ گروہ کے ہتھے چڑھے۔ یہ ابھی راز ہی ہے۔ فاقہ کش قدرت اللہ اپنے دو کمسن بچوں کے ہمراہ اپنے کوارٹر میں بھوکا پیاسا رہا اور کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا گوارا نہ کیا۔ چند روز بعد اس کا لختِ جگر بھوک پیاس سے دم توڑ گیا اور آج اس کی بچی آٹھ سالہ وجاہت میو ہسپتال میں اللہ کو پیاری ہو گئی۔ قدرت اللہ کو اب اس کا بھائی اعظم اپنے گھر تیزاب احاطہ لے گیا ہے۔

ایک اور اطلاع کے مطابق قدرت اللہ نے ۱۹ روز تک خود کو اور اپنے تین بچوں کو کمرے میں بند کئے رکھا۔ بیوی اور بچوں کی گمشدگی کے باعث وہ ہوش و حواس کھو بیٹھا ہے۔ وہ جب اتنے دنوں تک نظر نہ آئے تو محلے والوں کو تشویش ہوئی۔

انہوں نے اس کے گھر جا کر دیکھا، پانچ سالہ عرفان دم توڑ چکا تھا اور قدرت اللہ، وجاہت اور اس کی سب سے بڑی بچی جاں بلب تھے۔ انہیں ہسپتال لے جایا گیا، جہاں وجاہت آج دم توڑ گیا۔ قدرت اللہ اور اس کی بڑی بچی کو بعض سرکاری حکام اپنے ساتھ لے گئے ہیں، جہاں ان کا علاج کیا جا رہا ہے۔ اس جانکاہ حادثے کا ایک اور الم ناک پہلو یہ ہے کہ مسمی عرفان کی میت مردہ خانے میں پڑی رہی اور اسے کوئی لینے نہ آیا۔ بعد ازاں محلہ داروں نے چندہ جمع کر کے تجہیز و تکفین کی۔

اس قسم کے جانکاہ واقعہ کی ہوش ربا خبر کسی زندہ قوم کے ہاں شائع ہوتی تو ملک میں کہرام مچ جاتا۔ قوم میں قیامت برپا ہو جاتی۔ اخبارات میں شور مچ جاتا۔ اور قبل اس کے کہ معاشرہ کی طرف سے مطالبہ کیا جاتا کہ تحقیق کی جائے کہ اس کا ذمہ دار کون ہے، ذمہ دار افسر ہی نہیں، ارباب حکومت تک اپنے استعفے پیش کر دیتے۔ لیکن یہاں یہ خبر اس طرح چھپی گویا "ٹمبکٹو" کا کوئی واقعہ ہو، اور یوں پڑھی اور سنی گئی جیسے کوئی عہد کہن کا افسانہ سنا رہا ہو۔ (یہاں اتنا ہی ہوا کہ اسی اخبار کی ۱۶ جنوری کی اشاعت میں اس بدنصیب افسر (مسٹر قدرت اللہ) کے مزید کوائف شائع ہوئے اور ۱۷ جنوری کی اشاعت میں، متعلقہ دفتر کا ایک "سرکاری بیان" کہ اس تغافل یا تساہل کا ذمہ دار وہ محکمہ نہیں۔ سوال یہ نہیں کہ اس افسر کو پنشن کیوں نہیں ملی۔ اصل سوال یہ ہے کہ اس بستے رستے ملک میں چھ ماہ سے ایک کنبہ فاقوں کا شکار ہو رہا تھا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس کنبہ کے کچھ افراد (اس افسر کی بیوی اور بچے) گم ہو گئے۔ کچھ موت کی بھینٹ چڑھ گئے۔ باقی ماندہ قریب المرگ ہو گئے۔ اور (ملک کی چھ سات کروڑ کی آبادی کو چھوڑیئے) اس شہر (لاہور) کی بیس پچیس لاکھ کی آبادی میں کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ ارکانِ حکومت بدستور اپنی اپنی دھن میں مست رہے۔ سیاسی راہ نما اسی طرح ملت کے درد سے لبریز سینہ لئے، گلہ پھاڑ پھاڑ کر تقریریں کرتے رہے۔ اقامتِ دین کے اجارہ دار ادارے، اپنے اپنے "مقاصدِ عالیہ" کے حصول کی تدبیریں سوچتے رہے۔ مساجد کے خطیب حسبِ معمول اسلام کی شاندار روایات سنا سنا کر محفلوں کو گرماتے رہے۔ اسی دوران میں وہ عید بھی آئی جس پر لاکھوں روپے کے قربانی کے جانور ذبح کئے گئے۔ لیکن اس سوختہ بخت کنبہ کی یہ جگر سوز حالت کسی کو دکھائی نہ دی، اگر کسی کو دکھائی دی بھی، تو اس نے انہیں موت سے بچانے کی کوئی کوشش نہ کی۔ محراب و منبر سے حضور نبی اکرمؐ کا یہ ارشادِ گرامی فضا میں بلند کیا جاتا رہا کہ:

> اگر کسی ہستی میں کوئی ایک فرد بھی رات کو بھوکا سو جائے تو اس بستی سے خدا کی حفاظت کا وعدہ ختم ہو جاتا ہے۔

لیکن کسی کو اتنا بھی خیال نہ آیا کہ اس کنبہ کی ہلاکت کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہماری پوری کی پوری بستی تباہ

ہو جائے گی۔ اس کنبہ کی حفاظت کے لئے نہ سہی، کسی نے خود اپنی حفاظت کے لئے بھی انہیں موت سے بچانے کی فکر نہ کی۔

اور یہ واقعہ مستثنیات سے نہیں۔ یہاں اکثر ایسا ہوتا رہتا ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے جولائی ۱۹۵۷ء کا طلوع اسلام ہے۔ ہم نے اس کے "لمعات" میں جو کچھ لکھا تھا، اسے ایک نظر دیکھئے۔

گذشتہ اپریل، اخبارات میں حسب ذیل خبر شائع ہوئی تھی۔

اوکاڑہ کی ایک خبر میں بتایا گیا ہے کہ یہاں ملٹری ڈیری فارم کے ایک مزدور اسماعیل نے بھوک اور غربت سے تنگ آکر اپنے تین بچوں کو نہر میں ڈبو کر ہلاک کر دیا۔ اس افسوسناک واقعہ کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے کہ ۹ر اپریل کو جب اسماعیل کو ۵۵ روپے تنخواہ ملی تو لوگوں کے تقاضے پورے کرتے ہوئے اس کی ساری پونجی ختم ہو گئی اور وہ یہ سوچنے لگا کہ گھر اور بچوں کی ضروریات کیسے پوری کروں۔ پریشانی اور مایوسی کے اسی عالم میں جب وہ گھر پہنچا تو وہاں بچے بے تابی کے ساتھ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ باپ سے یہ منظر دیکھا نہ جا سکا۔ اس نے چاروں بچوں کو سائیکل پہ بٹھایا اور نہر پر لے گیا۔ وہاں بچوں کو یہ دلاسا دیا کہ تم نہاؤ اور میں تمہارے لئے مٹھائی اور نئے کپڑے لے کر آتا ہوں۔ بچے جب نہانے لگے تو باپ نے تین بچوں کو ڈبو دیا۔ مگر آٹھ سالہ بچہ باپ سے لپٹ گیا اور اس نے گھر پہنچ کر اپنی ماں کو یہ سارا واقعہ بتایا۔ گھر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ پولیس نے اطلاع ملنے پر ملزم کو گرفتار کر لیا۔ غرق شدہ تین بچوں کی عمر دس سال۔ سات سال اور پانچ سال تھی۔

(بحوالہ اعتصام۔ بابت ۳ر مئی ۱۹۵۷ء)

مارچ ۱۹۷۶ء میں کراچی میں ایک نوجوان نے اسی قسم کے حالات سے مجبور ہو کر، اسٹیٹ بینک کی دیوار کے ساتھ ٹکر مار کر خودکشی کی کوشش کی تھی جس پر اُسے پولیس نے گرفتار کر لیا تھا۔ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے ہم نے لکھا تھا۔

نہ یہ خبر انوکھی ہے اور نہ یہ واقعہ غیر معمولی ہے۔ قریب قریب ہر روز، اور ہر شہر میں اس قسم کے واقعات ہوتے اور اس قسم کی خبریں چھپتی رہتی ہیں۔ لیکن ہم نے جس مقصد کے لئے اسے شائع کیا ہے وہ کچھ اور ہے۔ یہ درست ہے کہ خودکشی جرم ہے اور جو اس جرم کا ارتکاب کرتا ہے، پولیس کا فریضہ ہے کہ اُسے گرفتار کرے اور اس پر مقدمہ چلائے اور عدالت کا فریضہ ہے کہ جرم ثابت ہونے کی صورت میں اُسے سزا دے کر جیل خانے بھیج دے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جس وقت یہ نوجوان شہر میں مارا مارا پھرتا تھا کہ اُسے کہیں روزگار مل جائے اور اسے روزگار نہیں ملتا تھا، جس وقت وہ سارے

دن کی دوڑ دھوپ کے باوجود، بھوکے پیٹ، کوئی چھت تلاش کرتا تھا، جس کے نیچے وہ رات بسر کر سکے۔ اور اسے چھت نہیں ملتی تھی تو کیا اُس وقت بھی کسی کا فریضہ تھا یا نہیں کہ اس کے لئے روزگار مہیا کرے۔ روزگار نہیں ملتا تو اُس کے کھانے کے لئے روٹی اور رہنے کے لئے مکان کا انتظام کرے؟ اس وقت اس چودہ پندرہ لاکھ کی بھری بستی میں اُس کی مصیبت تنہا اس کی مصیبت۔ اور اس کی پریشانی، تنہا اس کی پریشانی تھی۔ اُس وقت کسی کا فریضہ نہیں تھا کہ اُس کی مصیبت میں اس کا ہاتھ بٹائے اور اس کی پریشانی میں اس کا ساتھ دے۔ لیکن جب اس نے تنگ آ کر ٹکر ماری، تو اس سے بہت سے فرائض بیدار ہو گئے! یہ ٹھیک ہے کہ اقدام خودکشی جرم ہے لیکن (مذکورہ صدر حالات میں) خودکشی کرنے والا اس جرم کا اتنا ذمہ دار نہیں جتنا ذمہ دار وہ معاشرہ ہے جو اسے اس اقدام پر مجبور کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فطرت کے اٹل قوانین (جو عدل کی صحیح بنیادوں پر قائم ہیں) اس فرد کو نہیں بلکہ پورے معاشرے کو سزا کا مستوجب قرار دیتے ہیں۔ اور جب وہ معاشرہ پوچھتا ہے کہ ہمیں کس جرم کی سزا دی جا رہی تو ان سے کہا جاتا ہے کہ اس جرم کی کہ لَا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ (۸۹/۱۷) جو فرد تمہارے معاشرہ میں تنہا رہ جاتا تھا تم اس کی عزت نہیں کرتے تھے۔ وہ بھوکا ہوتا تھا تو تم اُس کے کھانے کا انتظام نہیں کرتے تھے۔ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ (۹۰/۱۵) اس فرد کے کھانے کا جو تم سے اتنا قریب ہونے کے باوجود اپنے آپ کو تنہا پاتا تھا۔ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ (۹۰/۱۵) یا اس گرد آلود خاک نشیں محتاج کا جسے کاروبار کے لئے کوئی راستہ نہیں ملتا تھا۔ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ۔ (۹۰/۱۶)

اور آپ کو معلوم ہے کہ فطرت کی عدالت سے اس جرم کی سزا کیا ملا کرتی ہے؟ یہ ان تمام خوش حالیوں کو چھین لیا کرتی ہے جو اس نے عطا کر رکھی ہوں۔ (بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ۔ (۵۶/۶۷) اور آسمان کی بلندیوں پہ اُڑنے والوں کو زمین کی پستیوں میں دھکیل دیا کرتی ہے۔ (وَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا۔ (۱۱/۸۲)

حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

اگست ۱۹۵۵ء میں، لاہور سے خبر آئی تھی کہ وہاں ایک بال بچوں والی خاتون نے برسوں کی بیماری اور مسلسل فاقوں سے تنگ آ کر خودکشی کر لی۔ اس پر ہم نے لکھا تھا۔

اگر پاکستان کا مجوزہ اسلامی دستور معاشرہ کے اس قسم کے جگر خراش اور روح فرسا حالات کا اطمینان بخش علاج اپنے اندر نہیں رکھتا تو سمجھ لیجئے کہ اسے اسلام سے دور کی بھی نسبت نہیں۔ اسلام کے متعلق ہمارا دعویٰ ہے کہ وہ نوعِ انسانی کی تمام مشکلات

کا واحد اور مکمل حل اپنے اندر رکھتا ہے۔ اگر وہ انسان کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کا اطمینان بخش حل نہیں پیش کر سکتا تو ہمارا یہ دعویٰ کبھی سچا نہیں قرار پا سکتا تو ہمارا یہ دعویٰ کبھی سچا نہیں قرار پا سکتا۔ اس کے لئے قرآن نے اس نظام کو پیش کیا ہے جس رُو سے مملکت میں بسنے والے تمام افراد کی بنیادی ضروریاتِ زندگی کے بہم پہنچانے کی ذمہ داری نظام کے سر ہوتی ہے۔

کیا پاکستان کے لئے نیا دستور مرتب کرنے والے اس اہم حقیقت کو اپنے سامنے رکھیں گے؟

ہم اتنا لکھ چکے تھے کہ ہمارے سامنے ۱۳ر اگست کا روزنامہ تسنیم آیا جو جماعتِ اسلامی کا ترجمان ہے اس میں مندرجہ صدر واقعہ کے متعلق ایک صاحب کا خط شائع ہوا ہے۔ اس خط میں وہ (اس واقعہ کا ذکر کرنے کے بعد) پہلے تو یہ لکھتے ہیں کہ:

ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ملک میں اس قسم کی وارداتیں کافی ہوتی رہتی ہیں۔ اخبارات انہیں نمایاں طور پر شائع کرتے ہیں۔ بعض معاصر نے غریب کی قدیمی کہانی کا نام لے کر اس میں اپنے مخصوص مقاصد کے تحت پُر فریب مستقبل اور وعدوں، اور امیدوں کا وہ رنگ بھرنا شروع کر دیا ہے کہ جب ذرائع دولت اجتماعی قبضہ میں ہوں گے تو اس کو خزانہ کرنے کے بجائے اسے غربا کے مصرف میں اس طرح سے دے دیا جائے گا، جس سے انسان کے لئے دنیا جنت بن جائے گی۔

اس کے بعد وہ یہ فرماتے ہیں کہ اسلام نے اس کا کیا علاج تجویز کیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

اس موضوع پر اسلامی تعلیمات میں کچھ ابہام نہیں۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ دینِ مبین میں خودکشی کو حرام قرار دیا گیا ہے اور اس کے مرتکب کے لئے وعید دارد ہے کہ وہ عالم برزخ میں اور حشر کے بعد اسی عذاب میں مبتلا رہے گا۔ جس میں اس نے غلطی سے مداوا سمجھ کر اپنے آپ کو مبتلا کر لیا تھا۔ زہر کھانے والا بار بار زہر کھائے گا، اور مر مر کر جئے گا۔ خنجر سے کام تمام کرنے والا خنجر ہی گھونپتا پھرے گا اور پھندا لگانے والا پھانسی ہی پاتا رہے گا۔ گویا جان جہان آفریں کی ہے جس نے دی ہے۔ اسی کا کام ہے کہ وہ اُسے واپس بھی لے۔ دیگر فرائض کی طرح اس کی حفاظت کرنا بھی خدا اور نفس کی طرف سے ہم پر عائد ہونے والے حقوق کی طرح ایک فرض ہے۔ افسوس اس بات پر آتا ہے کہ باوجود اتنا ظاہر حکم اور فیصلہ موجود ہونے کے ہم نے اس کی تبلیغ میں مجرمانہ غفلت کی روش اختیار کر رکھی ہے۔ ہمارے خطیبوں اور واعظوں کے خطبوں اور وعظوں میں کتابی مسائل کے لچھے کے لچھے پھیلتے جائیں گے۔ دورِ انکار

قصّے، کرامات اور معجزات کو شعر خوانی کی چاشنی سے ہم..... مزے لے لے کر منبروں سے نشر کریں گے۔ لیکن حالاتِ حاضرہ پر کچھ فکرات پیدا کرنے سے ہماری گویائی عاجز اور عملی زندگی کی خرابیوں کا تصور پیدا کرنے اور ان سے عوام کو باز رکھنے کا مؤثر اسلوب اختراع کرنے میں ہماری متخیلہ سقیم ہو کر رہ گئی ہے۔

آپ نے علاج ملاحظہ فرما لیا۔ یعنی معاشرہ پر اس کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ وہ ایسے حالات پیدا نہ ہونے دے جس سے تنگ آ کر فاقہ کش، نادار، بیمار خودکشی پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ خودکشی ایک جرم ہے، لیکن جس اسلام نے ایک فاقہ کش کو اضطراری حالت میں حرام تک کھا لینے کی اجازت دی ہے کیا اس کے ہاں ایک ایسے نادار کے لئے جس کے پاس نہ پیٹ بھر کر کھانے کے لئے روٹی ہو، اپنی بیماری کے علاج کے لئے پیسہ۔ اس کے سوا کوئی علاج نہیں کہ اس غریب سے وعظ کہے جائیں۔ لیکن جو اس کی اس حالت کے ذمہ دار ہیں انہیں اس کی کھلی چھٹی دے دی جائے کہ وہ جس قدر جی چاہے دولت سمیٹتے چلے جائیں۔ بشرطیکہ وہ اس میں سے زکوٰۃ نکال کر ان فتویٰ دینے والوں کی مفت خوری کا انتظام کرتے رہیں؟

یاد رکھئے! یہی ہے ان لوگوں کی طرف سے پیش کردہ وہ اسلام جو دنیا میں کمیونزم کے جہنم کو اس تیزی سے بڑھاتا چلا جا رہا ہے کہ اس کے شعلوں کی لپٹ سے کوئی فضا بھی محفوظ نظر نہیں آتی۔ اگر پاکستان میں اس قسم کے ابلہ شریعت کا تجویز کردہ اسلامی دستور نافذ ہو گیا تو سمجھ لیجئے کہ اس کے دروازے کمیونزم کے جہنم کے لئے چوپٹ کھل جائیں گے اور اس وقت (عام مسلمانوں پر تو جو بیتے گی، بیتے ہی گی) خود وہ تمام قوتیں جو کمیونزم کی روک تھام کے لئے اس قدر روپیہ صرف کر رہی ہیں — دانتوں میں انگلی دبائے بصد حسرت و یاس کہہ رہی ہوں گی کہ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا! (۹۰/۶) ہم نے اتنی دولت ناحق ضائع کی۔ (طلوعِ اسلام ۲۰/۵۵)

پاکستان کا دستور مرتب ہو گیا۔ اس پر حکومت نے چراغاں کیا اور ملک کی تمام مذہبی جماعتوں اور علمائے کرام نے اُسے اسلامی دستور قرار دے کر مجلسِ آئین ساز کی خدمت میں ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کیا۔ یعنی اس دستور کے مرتب کرنے پر جس میں مفلسوں اور فاقہ کشوں کی مصیبتوں کا کوئی حل موجود نہیں۔

یہ تھے وہ "لمعات" جو ہم نے جولائی ۱۹۵۷ء میں لکھے تھے۔ اور انہی کو ہم آج پھر دہراتے ہیں۔ اس بیس سال کے عرصہ میں یہاں کے حالات، سنورنے کی بجائے اور بگڑتے چلے گئے۔ در آنحالیکہ اب وہ پارٹی برسرِ اقتدار ہے جس نے اپنے منشور میں "روٹی، کپڑا اور مکان" کا وعدہ کیا تھا۔ اور ملک میں وہ دستور نافذ ہے جس کی رُو سے مملکت کا مذہب اسلام قرار دیا گیا ہے —— اگر اس پارٹی کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد جس نے مذکورہ صدر وعدہ کی بنا پر اقتدار حاصل کیا تھا

اس مملکت کے باشندوں کی یہ حالت ہو جس کا مذہب اسلام قرار دیا گیا ہو، تو اس کے بعد اس کے سوا کیا کہا جائے کہ؛

خداوندا! یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں؛

آپ پارٹی کے منشور اور مملکت کے دستور کو بھی چھوڑیئے۔ اصل مشکل یہ ہے کہ اس ملک میں "قوم" نہیں بستی۔ "افراد" بستے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہاں جس شخص پر کوئی مصیبت پڑتی ہے، وہ قوم کی مصیبت نہیں ہوتی، تنہا اس فرد کی مصیبت ہوتی ہے۔ اور جس فرد کی مصیبت ٹل جاتی ہے اسے اس کی فکر نہیں رہتی کہ اور کون کون ہنوز اس مصیبت میں گرفتار ہے — وہ مطمئن ہو کر بیٹھ جاتا ہے کہ اب کوئی مصیبت باقی نہیں رہی۔ اور یہاں یہ حالت، پچیس سال کی منظم سازشوں کی پیدا کردہ ہے۔ اس لئے کہ اگر ملک میں افراد کی جگہ "قوم" بستی ہو تو پھر دھاندلی کرنے والوں کے لئے کسی قسم کی دھاندلی کی گنجائش نہیں رہتی۔ دھاندلی افراد کے ساتھ کی جا سکتی ہے۔ قوم کے ساتھ نہیں۔ مذکورہ بالا قسم کے واقعات کسی قوم میں رونما ہوتے تو آپ پھر دیکھتے کہ ان کا کس طرح تدارک نہ ہوتا!

جہاں تک پنشنروں کا تعلق ہے، اس مجبور و مقہور مخلوق کی حالت بڑی قابلِ رحم ہے۔ ہمارے ہاں کے کاشتکار اس بیل کی خوب خاطر تواضع کرتے ہیں جو ہل جوتنے کے قابل ہوتا ہے لیکن جب وہ بوڑھا ہو جاتا ہے تو اسے قصابوں کے حوالہ کر دیا جاتا ہے۔ بعینہٖ یہی حالت بیچارے پنشنر کی ہوتی ہے۔ وہ جب تک کام کرنے کے قابل ہوتا ہے، اسے تنخواہ بھی ملتی ہے۔ ترقی بھی۔ مراعات بھی۔ لیکن جب وہ "ہل جوتنے کے قابل نہیں رہتا" تو اُسے نکال باہر کیا جاتا ہے۔ اور اس کے بعد یہ دیکھنا کسی کی ذمہ داری نہیں ہوتی کہ اس کے، اور اس کے بیوی بچوں پر کیا گزرتی ہے۔ ریٹائرمنٹ کی عمر بالعموم وہ ہوتی ہے، جس میں سرکاری ملازم کی نجی ذمہ داریاں شباب پہ ہوتی ہے۔ بچے کالجوں میں تعلیم پا رہے ہوتے ہیں۔ لڑکیاں شادی کی عمر تک پہنچ چکی ہوتی ہیں۔ اُسے خود بھی زیادہ آسائش کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن عین اس وقت، "شباب" اس کی آمدنی ایک تہائی سے بھی کم رہ جاتی ہے۔ ذمہ داریاں زیادہ ہوتی جاتی ہیں۔ مہنگائی بڑھتی جاتی ہے۔ لیکن اس کی پنشن وہیں کی وہیں رہتی ہے —— بجز اس کے کہ کبھی کبھار اس میں برائے نام اضافہ ہو جاتا ہے۔ ملازمین سروس میں ہوں تو ناشنیدہ شکایات پر حکومت کو دھمکی بھی دے سکتے ہیں۔ لیکن پنشنر بیچارے، گورِ غریباں کے چراغِ مردہ کی طرح، اپنا سینہ جلا کر، خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ ان کا کوئی پرسانِ حال نہیں ہوتا۔

ریٹائرمنٹ کے بعد پہلی مصیبت، پنشن کی منظوری کی ہوتی ہے۔ اس ملازم کی تنخواہ بند ہو جاتی ہے، اور پنشن منظور نہیں ہوتی — وہ انہی دفتروں میں دھکے کھاتا پھرتا ہے جن میں ابھی کل تک

اس کا حکم چلتا تھا۔ حکومت کی اس قدرِ عظیم مشینری کے باوجود، ابھی تک کوئی ایسا طریق وضع نہیں ہو سکا جس سے سرکاری ملازم کو ریٹائر منٹ کے ساتھ ہی منظور شدہ پنشن کی دستاویز مل جائے۔ ریٹائر منٹ کوئی ایسا ہنگامی حادثہ تو ہوتا نہیں، جس کا پہلے سے علم نہ ہو۔ اس کا علم تو برسوں پہلے ہوتا ہے کہ فلاں شخص نے کس تاریخ کو ریٹائر ہونا ہے۔ پھر، سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کی پنشن کے کاغذات کی تکمیل، اس کی ریٹائر منٹ کی تاریخ سے پہلے کیوں نہ ہو جائے۔

جہاں تک پنشن کے وصول کرنے کا تعلق ہے، اس کا سہل ترین طریق بینک کے ذریعے پنشن حاصل کرنا تھا۔ یہ طریق بڑی عمدگی سے کارفرما تھا۔ لیکن جب سے بینک سرکاری تحویل میں چلے گئے ہیں۔ ان میں بھی وہی کچھ ہونے لگ گیا ہے، جو دوسرے سرکاری شعبوں میں ہوتا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اب بینک کے ذریعے پنشن حاصل کرنے میں بھی دو دو تین تین ماہ تک ایڑیاں رگڑنی پڑتی ہیں ـــــ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

(۲)

رائے صاحب کی "ترقی پسند مسلم لیگ"

اوپر سے سبز۔ اندر سے سرخ

جریدہ نوائے وقت (لاہور) کی ۱۱ جنوری ۱۹۷۶ء کی اشاعت میں حسب ذیل خبر شائع ہوئی۔

لاہور، ۱۰ جنوری پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ اور مسلم لیگ کے چیف آرگنائزر مسٹر محمد حنیف رائے نے اعلان کیا ہے کہ وہ مسلم لیگ کو ایک آزاد خیال، ترقی پسند اور سیکولر جماعت بنانا چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لئے بھرپور کوشش کریں گے۔ ایک مقامی انگریزی ہفت روزہ کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ پیپلز پارٹی عوام کا اعتماد کھو چکی ہے۔ عوام سے کئے گئے وہ وعدے پورے نہیں کر سکی جن کی بنیاد پر اس نے انتخاب جیتا تھا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان مسلم لیگ میں ان کی کوشش ہوگی کہ وہ اپنے اقتصادی پروگرام کو عملی جامہ پہنائیں۔ تاکہ ہر ایک کی ضرورت پوری ہو اور ہر ایک اپنی استطاعت کے مطابق اپنی ضروریات کا کفیل ہو۔ رائے نے کہا۔ "جہاں تک تنظیمی مسئلے کا تعلق ہے۔ میں پاکستان مسلم لیگ کو اس مقام پر لے جانا چاہتا ہوں جس کا تصور قائدِ اعظمؒ نے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں اپنے تاریخی افتتاحی خطاب میں پیش کیا تھا، اور فرمایا ـــ کہ مسلم لیگ ایک آزاد خیال، ترقی پسند، جمہوری اور سیکولر تنظیم

ہوگی۔ اس لیے تمام تر توجہ اقتصادی پروگرام پر مرکوز ہونی چاہیئے۔ اور محض سیاسی جمہوریت کی بجائے اصل توجہ اقتصادی اور معاشرتی جمہوریت پر دینی چاہیئے۔ لیکن جب پاکستان مسلم لیگ نے اقتصادی مقاصد کو خیرباد کہہ دیا تو مسلم لیگ عوام کی تائید و حمایت سے محروم ہو گئی۔

یہ امر واقعہ ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی کا اقتصادی نعرہ اس لئے زبانِ زدِ خلائق اور مقبول عام ہو گیا کہ مسلم لیگ کے دھڑے جو ہوسِ اقتدار میں ایک دوسرے سے الجھ رہے تھے۔ اقتصادی پروگرام کو سراسر بھول چکے تھے۔ عوام کے لئے ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔ نواب اور سر کے خطابوں والے، نیز خان بہادر، غرضیکہ سبھی، عوام کے نام پر اپنے مفادات اور حقوق کے مطالبے کر رہے تھے۔ اور یہ مراعات، مفادات اور حقوق حاصل ہو جانے کے بعد لوٹ کے مال کی طرح آپس میں بانٹ لیتے تھے اور عوام کو کچھ بھی نہیں ملتا تھا۔ اور عوام کی یہی مایوسی اور نامرادی تھی جس نے پیپلز پارٹی کا بت کھڑا کر دیا اور میں پاکستان پیپلز پارٹی کو یہ داد ضرور دیتا ہوں کہ اس نے اقتصادی مسائل کو سرفہرست رکھا۔ اس لئے میرے پاکستان پیپلز پارٹی کے ساتھ سات سال ضائع نہ ہوئے۔

مسٹر حنیف رامے نے کہا کہ وہ ایسی دستاویزیں تیار کر رہے ہیں جن کے ذریعے مسلم لیگ کی وسیع حکمتِ عملی اور قومی مسائل کے متعلق اس کے تصورات کی عکاسی ہو سکے گی۔

ہم نے مسلم لیگ کے دستور اور آئین میں جن نئے نکات کا اضافہ کیا ہے ان کی وجہ سے اب مسلم لیگ سراسر دائیں بازو کی جماعت نہیں رہ جائے گی۔ بلکہ اب مسلم لیگ ایک آزاد خیال اور ترقی پسند جماعت ہے اور وہ اب اسی راستے پر گامزن ہو رہی ہے جو ہمارا اور ہمارے کارکنوں کا صحیح نصب العین اور اصل راستہ ہے۔

ظاہر ہے کہ اس پر بہت سے کان کھڑے ہو گئے اور خود مسلم لیگی حلقوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگ گئیں۔ مسلم لیگ اور سیکولر! پھر یہ دعویٰ کہ خود قائداعظمؒ کا یہی مقصد تھا۔ چنانچہ رامے صاحب نے دوسرے ہی دن اپنے پہلے بیان کی ان الفاظ میں تردید کر دی۔

لاہور ۱۱ر جنوری (نامہ نگار خصوصی) پنجاب کے سابق وزیراعلیٰ اور مسلم لیگ کے چیف آرگنائزر سینیٹر محمد حنیف رامے نے ایک مقامی انگریزی ہفت روزہ میں شائع ہونے والے انٹرویو میں ان سے منسوب کی گئی اس بات کی تردید کی ہے کہ وہ مسلم لیگ کو ایک سیکولر جماعت بنانا چاہتے ہیں۔ مسٹر حنیف رامے نے آج ایک بیان میں کہا کہ اس انٹرویو میں میرے حوالے سے قائداعظمؒ کا ایک قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے

قیامِ پاکستان کے بعد دستور ساز اسمبلی میں اپنی تقریر میں یہ کہا تھا کہ "مسلم لیگ ایک آزاد خیال، ترقی پسند اور سیکولر تنظیم ہوگی"۔ مسٹر رامے نے بیان میں مزید کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ انگریزی ہفت روزہ (جس کے حوالے سے یہ انٹرویو روزنامہ نوائے وقت نے نقل کیا ہے) کا ادارہ میری بات کو درست انداز میں پیش کرنے سے قاصر رہا ہے۔ قائدِ اعظمؒ نے یہ بات نہیں کہی۔ اس لئے میرا اسے دہرانے کا سوال کا ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں نے قائدِ اعظم کی تقریر کے حوالے سے صرف یہ ذکر کیا تھا کہ پاکستان ایک تھیوکریسی (پاپائیت یا ملائیت) نہیں ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ جہاں تک پاکستان اور اسلام کا تعلق ہے قائدِ اعظمؒ نے انہیں ہمیشہ لازم و ملزوم سمجھا اور اپنی ناچیز حیثیت میں میرا بھی یہی مؤقف ہے۔ اسی طرح مسلم لیگ نے ہمیشہ اسلام ہی کے حوالے سے اپنی جدوجہد کو پروان چڑھایا اور اسے قیامِ پاکستان کے تاریخی موڑ تک پہنچایا۔ البتہ مسلم لیگ عام و روایتی انداز میں کوئی مذہبی جماعت نہ پہلے تھی اور نہ اب ہے۔ مسلم لیگ دراصل اسلام اور اس کی انقلابی تفسیر سے ابھری ہے۔ جس کے ایک ترجمان علامہ اقبالؒ ہیں۔ اس تفسیر کے مطابق اسلام دنیا و آخرت، دو نوں جہانوں کے لئے روشنی و ہدایت ہے اور پاکستان اسی لئے قائم ہوا تھا کہ ہم اسلام کی روشنی میں انسان کی جسمانی، ذہنی، انقلابی و روحانی نشو و نما کے لئے مؤثر ترین فضا اور ماحول مہیا کریں۔

رامے صاحب کا انٹرویو، لاہور کے انگریزی ہفت روزہ (VIEW POINT) کی ۹ر جنوری کی اشاعت میں شائع ہوا ہے۔ اس میں وہ الفاظ موجود تھے جن کا ترجمہ نوائے وقت (بابت ۱۱ر جنوری) میں شائع ہوا تھا۔ رامے صاحب کی تردید کے سلسلہ میں، اسی ہفت روزہ نے (اپنی ۱۶ر جنوری کی اشاعت میں) یہی کا مؤقف اختیار کیا ہے، اور کہا ہے کہ چونکہ وہ انٹرویو (TAPE) نہیں کیا گیا تھا اس لئے، ہمارے پاس اس کے سوا چارہ نہیں کہ ہم ان کی اس ترمیم کو قبول کر لیں۔ اس نے (رامے صاحب کی مجبوریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) یہ بھی لکھا ہے کہ:

> جہاں تک رامے صاحب کا تعلق ہے انہیں اس کا پورا پورا حق حاصل ہے کہ وہ اپنے لئے کونسا جدید سیاسی فکر و عمل اختیار کریں اور کس قسم کے بیانات اور وضاحتیں شائع کریں تاکہ ان کے رفقاء اور ہم نواؤں میں ان کی پوزیشن محفوظ رہے۔ جب وہ (رامے صاحب) مسلم لیگ کی تنظیمِ نو کے سلسلہ میں آگے بڑھیں گے تو یہ بھی ممکن ہے کہ اب جو وہ اقتصادی پروگرام پر اس قدر زور دے رہے ہیں، وہ اس سے منکر ہو جانا بھی ضروری خیال کریں۔

ہم یہاں تک لکھ چکے تھے کہ ہمارے سامنے ڈاکٹر محمد صادق ملہی صاحب کا ایک بیان آیا جو روزنامہ مشرق (لاہور) کی ۱۸ر جنوری کی اشاعت میں شائع ہوا ہے۔ ڈاکٹر ملہی، حنیف رامے

صاحب کی کابینہ میں وزیر مواصلات تھے، اور اُنہی کے ساتھ وزارت سے الگ ہوئے تھے — راتے صاحب نے انہی دنوں یہ تاثر بھی دیا تھا کہ ملہی صاحب ان کے ہم نوا ہیں۔ ان کا بیان حسب ذیل ہے :-

لاہور ۱۷ جنوری۔ سابق صوبائی وزیر مواصلات، ڈاکٹر صادق ملہی نے ایک بیان میں کہا ہے کہ مسٹر حنیف راتے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مسلم لیگ کو سیکولر جماعت بنانے کی غرض سے اس جماعت میں داخل ہوئے تھے اور انہوں نے ذاتی ملاقاتوں میں اس منصوبے کا اپنے ساتھیوں سے ذکر کیا تھا۔ اب بیان کے بارے میں وہ جو وضاحتیں کر رہے ہیں، وہ ان کی مبہم بیانات دینے کی روش ہی کا ایک اور مظاہرہ ہے۔

ڈاکٹر صادق ملہی نے کہا ہے کہ اگست ۱۹۶۵ء میں جب حنیف راتے وزیراعلیٰ کے عہدے سے سبکدوش ہوئے، تو مجھے ان سے کوئی گلہ نہ تھا۔ البتہ حنیف راتے کی طرح مجھے بھی پارٹی کے بعض لوگوں سے کچھ شکایات تھیں۔ مسٹر راتے نے مجھ سے کہا کہ غلام مصطفےٰ کھر کی دھاندلیوں کو بے نقاب کیا جائے اور اس مقصد کے لئے وزیراعظم بھٹو سے ہدایات لی جائیں — میں اس سے متفق تھا۔ اس لئے میں نے ان سے کہا کہ میں ان کے اس پروگرام کا ساتھ دوں گا۔

بیان میں کہا گیا ہے کہ چند روز بعد میں نے دیکھا کہ مسٹر راتے مسٹر کھر کے ہمراہ مسلم لیگ میں شامل ہونے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ اور انھوں نے مجھے بھی اس کی دعوت دی۔ میں نے مسٹر راتے سے کہا کہ آپ کل تک ہمیں یہ کہہ رہے تھے کہ مسلم لیگ رجعت پسندوں، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی جماعت ہے۔ اور لوگ اسی لئے اسے چھوڑ کر پیپلز پارٹی جیسی ترقی پسند جماعت کی طرف آتے تھے اور اب آپ اسی مسلم لیگ میں شامل ہونے کا پروگرام بنا رہے ہیں۔ اس کے جواب میں انھوں نے مجھ سے کہا کہ اصل بات یہ ہے کہ میں مسلم لیگ میں اس مقصد کو لے کر شامل ہو رہا ہوں کہ اسے سیکولر اور سوشلسٹ جماعت بنا دیا جائے۔ یہ سُن کر میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ میں نے ان سے کہا کہ راتے صاحب! یہ تو انتہائی منافقت اور مسلم لیگ سے غداری ہوگی کہ آپ بظاہر اس جماعت میں شامل ہوں گے اور درپردہ اس جماعت کے تخریب کار۔ اگر آپ کا عندیہ یہی ہے تو آپ کو چاہیئے کہ مسلم لیگ والوں پر یہ بات واضح کر دیں اور اگر وہ اس تبدیلی

پر رضامند ہوں تو کھلے بندوں اس کا اعلان کر کے اس میں شامل ہوں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ وہ اس بات کو کیسے مانیں گے۔ اس کا طریقہ وہی ہے، جو میں نے بتایا ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ میں تو ایسی منافقت کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے کہا کہ پھر آپ کو سیاست آتی ہی نہیں۔ بہتر ہو کہ آپ سیاست سے دست کش ہو جاویں۔ میں نے کہا کہ میں ایسی سیاست سے باز آیا۔ اس کے بعد میں ان سے الگ ہو گیا۔

ڈاکٹر صادق ملہی نے کہا ہے کہ میں اس ذاتی گفتگو کو ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اب جبکہ انہوں نے خود کہہ دیا ہے کہ ان کا مقصد مسلم لیگ کو سیکولر جماعت بنانا ہے تو میں نے مناسب سمجھا کہ اس واقعہ کا اظہار کر دوں۔

حنیف رامے نے یہ بھی کہا ہے کہ اُن کے انٹرویو کو صحیح طور پر پیش نہیں کیا گیا تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ کیونکہ ان کی ہمیشہ سے یہی روش چلی آ رہی ہے۔ چنانچہ سوشلزم، اسلامی سوشلزم، دیت نامی سوشلزم، سرخ سندھری سوشلزم اور دوسری طرف مساواتِ محمدی کی باتیں ..... ان کی اس روش کے زندہ ثبوت ہیں۔ یعنی ان کی ٹکنیک یہ ہے کہ ہر بات مبہم کی جائے اور بعد میں اس میں مختلف معنی پہنانے کی گنجائش رکھی جائے۔

پرچے کو پریس میں بھیجنے کا وقت آ گیا ہے، اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس کے بعد حنیف رامے صاحب کیا ارشاد فرمائیں گے؛ اس وقت ہم اس سے زیادہ اور کیا کہیں کہ کسی قوم کی اس سے زیادہ پستی اور کیا ہوگی کہ اس میں اس قسم کے لوگوں کو "لیڈر" بن جانے کے مواقع حاصل ہوں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

(۳)

کہتی ہے تجھ کو خلقِ خدا غائبانہ کیا!

چین کے عظیم راہ نما، چو۔ این۔ لائی کی آخری رسوم کی جو فلم ٹیلی ویژن پر دکھائی گئی، اس سے ہمارے دل پر دو نقوش مرتسم ہوئے۔ ایک یہ کہ جس قوم میں زندگی کی نمود ہوتی ہے، اس کے افراد میں انتہائی ڈسپلن کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ ان رسوم میں لاکھوں افراد نے حصّہ لیا۔ ان میں ان کے چوٹی کے سربراہ اور لیڈر بھی تھے اور عوام بھی۔ مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ لڑکے بھی تھے اور لڑکیاں بھی۔ شدتِ غم سے ان کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ لیکن کیا مجال جو کسی ایک نے بھی شدتِ جذبات میں کوئی بے خودانہ حرکت کی ہو، یا کسی کا ایک قدم بھی اس لکیر سے ادھر اُدھر

ہٹا ہو جس پر ان کی قطار چل رہی تھی۔ اس کے برعکس پچھلے ہی دنوں، حج کی فلمیں بھی دکھائی گئیں۔ ان میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ طوافِ کعبہ ہو یا حجرِ اسود کا استلام۔ عرفات کا میدان ہو یا قربانگاہ۔ رمی جمار (شیطانوں کو پتھر مارنے) کا منظر ہو یا چاہِ زمزم سے سیرابی کا نظارہ — ہر جگہ وہ دھکم پیل اور ہنگامہ اور شور و غوغا کہ خدا پناہ!

قرآنِ کریم نے "شحِّ نفس" سے بچنے کی خاص تاکید کی ہے۔ "شحّ" کی محسوس شکل یہ ہوتی ہے کہ کسی کو دھکے دے کر پیچھے ہٹایا جائے اور اس کی جگہ آپ لے لی جائے۔ اسی کو دھکم پیل یا عدمِ ڈسپلن کہا جائے گا۔ یہاں حرمِ کعبہ میں "ہجومِ مؤمنین" کی دھکم پیل کا یہ عالم' اور وہاں "ازدحامِ کافرین" کے نظم و ضبط کی وہ کیفیت! ڈسپلن یا ضبطِ خویش درحقیقت سہار اور برداشت کا متقاضی ہوتا ہے۔ اور مسلمانوں کی زندگی کا کونسا گوشہ ہے جس میں آپ کو سہار اور برداشت کا شمہ تک بھی دکھائی دے!

دوسرا نقش یہ تھا کہ وہ حکمران جو جسموں پر حکومت کرنے کو اپنا کمال سمجھتے ہیں۔ اُن سے سبق حاصل کریں، جن کی حکمرانی دلوں پر ہوتی ہے۔ اوّل الذکر کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ (موت کے بعد تو کجا۔ خود) ان کی زندگی میں، جب وہ ہنوز برسرِاقتدار ہوتے ہیں، ان کے مصاحب' اور قریب ترین دوست، پیٹھ پیچھے، انہیں وہ گالیاں سناتے ہیں کہ پناہ بخدا — لیکن ثانی الذکر کا یہ عالم کہ ان کی موت کے بعد بھی، ان کے دوست دشمن، مخالف موافق، ان کے سوگ میں برابر کے شریک اور ان کے احترام میں یکساں سرنگوں دکھائی دیتے ہیں۔

فرمائیے! کونسی حکومت قابلِ فخر ہے؛ جسموں پر حکومت یا دلوں پر؟؟ جسموں پر حکومت کرنے والوں کے متعلق، ہمارے ہاں ایک عام کہاوت ہے کہ تحصیلدار صاحب کے کتے کی میت کے ساتھ پانچ سو آدمی تھے اور تحصیلدار کی میت کے ساتھ پانچ بھی نہیں تھے۔ فھل من مدکر؛ ہے کوئی عبرت حاصل کرنے والا؟

خوشنویس کی ضرورت

ادارۂ طلوعِ اسلام کے لئے ایک معیاری خوشنویس کی ضرورت ہے جو نستعلیق' اور نسخ لیتھو اور آفسٹ کی کتابت میں پختہ قلم ہو۔ خواہشمند حضرات اپنے قلمدان سمیت کسی روز (بجز اتوار) شام پانچ تا سات بجے ہمارے دفتر میں تشریف لے آئیں۔

[illegible]

اسلام کو علم و بصیرت کی روشنی میں سمجھنے کے خواہشمندوں کیلئے

انقلاب انگیز کتابیں

انسان نے کیا سوچا؟

کیا تنہا عقل انسانی زندگی کے مسائل کا حل دریافت کر سکتی ہے؟ اس اہم اور پیچیدہ سوال کا جواب یونان کے فلاسفروں سے لے کر جدید زمانے کے مفکرین اور سائنسدانوں نے کیا دیا ہے؟ یہ کتاب آپ کو سینکڑوں کتابوں سے مستغنی کر دے گی۔ بڑی تقطیع۔ خوبصورت ٹائپ۔ عمدہ سفید کاغذ۔ قیمت مجلد بیس روپے

سلیم کے نام خطوط

ہمارا تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ ایک عجیب کشمکش میں گرفتار ہے۔ اسلام کے متعلق اس کے دل میں سینکڑوں شکوک و شبہات پیدا ہوتے ہیں لیکن ملت ان کا کہیں سے اطمینان بخش جواب نہیں ملتا۔ جب وہ اس طرح مذہب سے متنفر ہو جاتا ہے تو ہم اسے کوسنے لگ جاتے ہیں۔ اسے کوسیئے نہیں۔ یہ کتاب پڑھئے اور پھر دیکھئے کہ وہ کس طرح صحیح اسلام کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ خطوط کا انداز بڑا دلکش اور ہلکا پھلکا ہے۔ خوبصورت ٹائپ۔ عمدہ کاغذ۔ مجلد۔ تین جلدیں۔ قیمت فی جلد بارہ روپے۔

عہد آفریں کتابیں

لغات القرآن

یہ قرآنی الفاظ کی صرف ڈکشنری نہیں۔ یہ ان کا مستند اور واضح مفہوم پیش کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتی ہے کہ ان الفاظ سے قرآن کس قسم کا تصور پیش کرتا ہے۔ اس کی تعلیم کیا ہے۔ اس کی دعوت کیا ہے۔ قرآن نے انسان کو کیا دیا ہے۔ یہ اس کا مقام کیا متعین کرتا ہے۔ چار جلدوں کی یہ کتاب قرآنی حقائق اور علوم حاضرہ کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔ خوبصورت ٹائپ۔ عمدہ سفید کاغذ۔ چار جلدیں۔ قیمت فی جلد بیس روپے۔

بصیرت افروز کتابیں

جہان فردا

مرنے کے بعد کیا ہوگا، زندگی کن مراحل سے گزرے گی، قیامت، حشر نشر، میزان، جنت، جہنم کا قرآنی مفہوم کیا ہے، اس دنیا کا اُس دنیا کے ساتھ کیا تعلق ہے، مُردوں کے لئے "ایصال ثواب" کی حقیقت کیا ہے۔ یہ اور اسی قسم کے دیگر متعدد سوالات کے بصیرت افروز جوابات۔ قیمت مجلد ۔ پیپر بیک روپے

اسلام کیا ہے؟

یہ مسائل کی کتاب نہیں۔ یہ آپ کو بتائے گی کہ اسلام کے بنیادی تصورات کیا ہیں۔ وہ کس قسم کا معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس کا دین انسانی ... پیش ... اسلامی نظام قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس کا معاشرہ میں عورت کا کیا مقام ہے اور اس کی غرض و غایت کیا ہے اور معاشرہ میں عورت کا صحیح مقام کیا ہے۔ قیمت اعلیٰ ایڈیشن [illegible] روپے۔ سستا ایڈیشن آٹھ روپے

معلومات افزا کتابیں

ادارہ طلوع اسلام ۲۵/بی گلبرگ لاہور — مکتبہ دین و دانش چوک اردو بازار لاہور

طاقت صحت

اور بھرپور توانائی کیلئے

ہمیشہ اووَلٹین استعمال کیجئے!

OVALTINE

خالد برادرس۔ پی۔او۔بکس نمبر 8026 کراچی

اب قرآن کی باری آئی!

کچھ عرصہ ہوا ہم نے طلوعِ اسلام میں لکھا تھا کہ تحریکِ پاکستان کی مخالفت کرنے کے باوجود، مودودی صاحب جو پاکستان میں تشریف لے آئے تو اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ (۱) ملک میں اسلام کے نام پر ایسا خلفشار پیدا کرتے رہیں جس سے اس مملکت کی بنیادیں متزلزل ہوتی رہیں اور اس میں استحکام پیدا ہی نہ ہو سکے۔ اور (۲) اسلام کا ایسا تصور پیش کیا جائے جس سے پاکستان کی نئی نسل اس سے پہلے شکک اور پھر بیزار اور پھر متنفر ہو جائے۔ ہمارے اس دعویٰ کو (بالخصوص جو نفسِ اسلام سے متعلق تھا) بہت سے گوشوں میں تعجب کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ لیکن جوں جوں حقائق ان کے سامنے آتے گئے وہ ہم سے متفق ہوتے چلے گئے، اور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ ہم اس وقت بھی جو کچھ لکھنا چاہتے ہیں، وہ بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے:۔

۲:۔ "کتاب و سنت" اور "اطاعتِ خدا و رسول" کے الفاظ مودودی صاحب کی ہر تحریر میں ملیں گے۔ سنت، احادیث ہی کی دوسری شکل کا نام ہے۔ احادیث کے متعلق مودودی صاحب نے یہ نظریہ پیش کیا کہ:۔

(۱) احادیث کے موجودہ مجموعوں میں صحیح احادیث بھی ہیں اور غلط (وضعی یا ضعیف) بھی۔

(۲) یہ بات "مزاج شناسِ رسول" کی بصیرت ہی بتا سکتی ہے کہ ان میں سے کون سی حدیث صحیح ہے اور کونسی غلط۔ حتیٰ کہ اگر کسی معاملہ میں کوئی حدیث نہ ملے تو "مزاج شناسِ رسول" یہ بھی بتا سکتا ہے کہ اگر رسول اللہ موجود ہوتے تو وہ اس معاملہ میں کیا فیصلہ دیتے۔

(۳) نتیجہ ظاہر ہے کہ سنتِ رسول اللہ اور اس کی اطاعت، عملاً "مزاج شناسِ رسول" کے فیصلوں کا نام قرار پا گئی اور (جماعتِ اسلامی کے نزدیک) یہ مزاج شناس خود مودودی صاحب ہیں۔ (چونکہ ہم اس موضوع پر متعدد بار طلوعِ اسلام میں شرح و بسط اور حوالوں کے ساتھ لکھ چکے ہیں، اس لئے اس وقت مزید تفصیل کی ضرورت نہیں سمجھتے۔)

اس سے آپ نے دیکھ لیا کہ مودودی صاحب نے اسلام میں اپنے لئے کونسا مقام متعین فرما لیا ہے۔ بعینہٖ یہی پوزیشن مرزا غلام احمد نے بھی اختیار کی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ احادیث کے مجموعوں میں سے وہی

حدیث صحیح سمجھی جا سکتی ہے جو اُن کی (مرزا صاحب کی) وحی کے مطابق ہو ـــــ مرزا صاحب نے معیار اپنی وحی کو قرار دیا۔ مودودی صاحب نے اپنی نگہ بصیرت کو۔ جہاں تک اُمت کا تعلق ہے۔ اطاعتِ رسولؐ، انہی حضرات کے ارشادات میں محصور ہو گئی۔

۳۔ اب آیئے کتاب اللہ (قرآن مجید) کی طرف۔ مودودی صاحب نے اپنے ماہنامہ "ترجمان القرآن" میں "رسائل و مسائل" کے عنوان سے ایک سلسلۂ تشریحات شروع کر رکھا ہے، جس کا نقطۂ ماسکہ یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ کے فیصلوں میں حک و اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے اور ردّ و بدل بھی۔ ان کا یہ پورے کا پورا مقالہ (تشریحات) خاص محاکمہ کا متقاضی ہے۔ لیکن اسے ہم کسی اور وقت پر اٹھا رکھتے ہیں۔ سرِدست ہم اس کا صرف وہی حصہ سامنے لانا چاہتے ہیں جس کا تعلق قرآنِ مجید سے ہے۔

۴۔ قرآنِ مجید کے متعلق وہ لکھتے ہیں:۔

> رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت قرآنِ پاک کو جس حالت میں چھوڑا وہ یہ تھی کہ اپنی مکمل اور مرتب صورت میں وہ صرف ان حافظوں کے سینے میں محفوظ تھا جنہوں نے حضورؐ سے سیکھ کر اُسے اوّل تا آخر یاد کیا تھا۔ تحریری شکل میں آپ نے اُس کا لفظ لفظ لکھوا ضرور دیا تھا، مگر وہ متفرق پارچوں پر، تختیوں، کھجوروں کی چھالوں، شانے کی ہڈیوں اور ایسی ہی دوسری چیزوں پر لکھا گیا تھا۔ جو ایک تھیلے میں رکھی ہوئی تھیں۔ حضورؐ نے اسے سورتوں کی ترتیب کے ساتھ ایک مسلسل کتاب کی صورت میں مرتب نہیں فرمایا تھا۔
>
> (ترجمان القرآن ستمبر ۱۹۷۵ء صـ۳۵ و نومبر ۱۹۷۵ء صـ۴۲)

اس کے بعد انہوں نے لکھا ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانے میں، حضرت عمرؓ کے ایماء سے حضرت زیدؓ نے اسے (قرآن کریم کو) کس طرح مرتب فرمایا۔ انہوں نے اسے اُس "تھیلے" میں جمع شدہ اجزاء کی مدد سے نہیں، بلکہ ان پارچوں، ہڈیوں، کھجور کے پتوں وغیرہ کی مدد سے مرتب کیا جو لوگوں کے ہاں بکھری پڑی تھیں۔ (حضرت زیدؓ کی اس ترتیب کی تفصیل کتبِ روایات میں درج ہے۔ اور طلوعِ اسلام میں متعدد مقامات پر اس پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ اس کے دہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔)

اس کے بعد مودودی صاحب نے لکھا ہے کہ جس کام کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خود سرانجام نہیں دیا تھا، اُسے حضورؐ کی وفات کے بعد صحابہؓ نے سرانجام دیا۔ یعنی حضورؐ کے چھوڑے ہوئے تھیلے کو کتابی شکل دے دی۔ یہ ان کے نزدیک "ردّ و بدل" کی نمایاں ترین مثال ہے۔ (ترجمان القرآن ستمبر ۱۹۷۵ء صـ۳۵)

آپ غور فرمایئے کہ مودودی صاحب کی اس تشریح کے مطابق قرآنِ کریم کے متعلق کیا تصور پیدا ہوتا اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق (معاذ اللہ) کس قسم کا خیال ذہن میں اُبھرتا ہے۔ یعنی

حضورؐ نے قرآنِ کریم کو مرتب صورت میں صحابہؓ کو حفظ تو کرا دیا لیکن ۲۶، ۲۶ کاتبوں کے باوجود اسے کتابی شکل میں مرتب فرما کر اُمت کو نہ دیا۔ حضورؐ کے بعد اس فریضہ کو صحابہؓ نے سرانجام دیا۔

ہم پوچھنا یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے جب قرآنِ کریم کے شروع میں (سورۃ فاتحہ کے بعد)۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ، یعنی یہ وہ کتاب ہے۔ کہا تھا..... تو کیا اس سے اشارہ اس پتھیلے کی طرف تھا جسے (مودودی صاحب کے ارشاد کے مطابق رسول اللہ نے رکھا ہوا تھا۔) یا یہ آیت اس وقت اُتری تھی جب حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانے میں قرآنِ مجید نے کتاب کی شکل اختیار کر لی تھی؟ سوچئے کہ اس کے بعد ہمارا نوجوان طبقہ اس قرآن کے متعلق کیا خیال کرے گا جو اُمت کے ہاتھوں میں موجود چلا آ رہا ہے۔

۵۔ اس کے بعد مودودی صاحب نے دین میں کمی کی مثال بیان فرمائی ہے۔ اس سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ قرآنِ کریم درحقیقت سات زبانوں میں نازل ہوا تھا اور رسولؐ اللہ نے بھی قرآنِ کریم کو ان سات زبانوں میں ہی پیش کیا اور اُمت کو سکھایا تھا۔ حضورؐ کی وفات کے بعد جب زبانوں کے اس اختلاف سے جھگڑے پیدا ہونے شروع ہوئے تو حضرتِ عثمانؓ نے ان میں سے صرف ایک زبان والے قرآن کو باقی رکھا اور بقایا چھ زبانوں والے نسخوں کو جلا دیا۔ مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

> اس معاملہ میں آپ یہ صاف دیکھ سکتے ہیں کہ قریش کی زبان کے سوا باقی چھ زبانوں کی قرأتیں، جو سب کی سب توقیفی تھیں، اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل شدہ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی تھیں، اس مصلحت کی بنا پر منسوخ کر دی گئیں کہ اُمت کو قرآن کے الفاظ اور اس کی عبارتوں میں اختلاف کے فتنے اور خطرے سے بچا لیا جائے۔ حالانکہ انہیں منسوخ کرنے کا کوئی حکم نہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے نازل ہوا نہ رسولِ اکرمؐ کی زبانِ مبارک سے سنا گیا۔
> (ترجمان القرآن ستمبر ۱۹۷۵ء صـ ۳۹ و نومبر ۱۹۷۵ء صـ ۴۳)

آپ ذرا دل کو تھام کر دیکھئے کہ مودودی صاحب کیا ارشاد فرما رہے ہیں؟ وہ کہہ یہ رہے ہیں کہ:۔

(۱) اللہ تعالےٰ نے قرآنِ مجید سات زبانوں میں نازل کیا تھا۔

(۲) رسولؐ اللہ نے بھی قرآنِ کریم کو ان سات زبانوں ہی میں اُمت کو دیا تھا۔

(۳) رسولؐ اللہ کی وفات تک، نہ اللہ تعالےٰ نے یہ حکم دیا کہ ان میں سے صرف ایک زبان کا قرآن باقی رکھا جائے اور دیگر چھ زبانوں والے قرآن منسوخ سمجھے جائیں۔ اور نہ ہی رسولؐ اللہ نے کوئی ایسا حکم دیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ منشائے خدا اور رسول یہی تھا کہ قرآنِ مجید ان سات مختلف زبانوں میں موجود رہے۔

(۴) لیکن حضرت عثمانؓ نے ان میں سے چھ زبانوں کے قرآنوں کو منسوخ قرار دے کر جلا دیا اور ایک زبان کے قرآن کو باقی رکھا۔

اس کے بعد آپ سوچئے کہ اُس قرآن مجید کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے جسے ہم (خدا کے ارشاد اور اپنے ایمان کی بنا پر) اس دعویٰ کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ یہ لفظاً وہی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا اور جسے رسول اللہؐ نے اُمت کو دیا تھا۔ (واضح رہے کہ مودودی صاحب نے سات زبانیں اور چھ زبانیں اور ایک زبان، جس میں قرآن رکھا گیا، کے الفاظ بصراحت لکھے ہیں۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی زبان کا جہاں جہاں بھی ذکر کیا ہے اس کے لئے السان واحد کا صیغہ ہی استعمال کیا ہے۔ السنتہ (زبانیں۔ جمع کا صیغہ) کہیں استعمال نہیں کیا۔

اس کے بعد آپ سوچئے کہ وہ جو ہم نے کہا تھا کہ اس شخص کا مقصد ہی یہ ہے کہ نوجوان نسل کو دین سے برگشتہ کیا جائے، کیا اس میں کوئی شبہ باقی رہ سکتا ہے؟ کہا جائے گا کہ یہ باتیں مودودی صاحب نے اپنی طرف سے نہیں لکھیں، یہ سب کتبِ احادیث میں موجود ہیں تو ہم عرض کریں گے کہ احادیث کے متعلق تو مودودی صاحب نے خود فرما دیا ہے کہ وہ ہر حدیث کو صحیح نہیں مانتے۔ لہٰذا جن روایات کی بنیادوں پر مودودی صاحب نے قرآنِ مجید کے متعلق یہ کچھ لکھا ہے، ظاہر ہے کہ وہ انہیں خود اپنی بصیرت کے مطابق صحیح مانتے ہیں۔ (ہمارے نزدیک، وہ تمام روایات جو قرآن کریم کے خلاف جاتی ہیں، وضعی ہیں۔ اور مودودی صاحب جیسی ذہنیت رکھنے والوں کی سازش کا نتیجہ)

اور قیامت یہ ہے کہ اس شخص کی کتابوں (بالخصوص تفہیم القرآن) کے تراجم دنیا کی مختلف زبانوں (بالخصوص انگریزی زبان) میں بھی شائع ہو رہے ہیں ــــــ نہ معلوم اس "پردۂ زنگاری" کے نیچے کون سا "معشوق" چھپا بیٹھا ہے۔[1]

محترم پرویز صاحب کا درسِ قرآنِ کریم	**لاہور** ہر اتوار ۹½ بجے صبح (فون ۸۰۸۰۰) ۲۵/بی۔ گلبرگ ۲ (نزد پولیس اسٹیشن)
لائلپور ہر جمعہ ۵½ بجے شام (بذریعہ ٹیپ) ۶۵ کوتوالی روڈ۔ حیات سرجری کلینک فون ۲۴۹۴	**ملتان** ہر جمعہ بعد نماز مغرب (بذریعہ ٹیپ) دفتر شاہ سنز بیرون پاک گیٹ فون ۷۱ ۲
سیالکوٹ ہر اتوار ۹½ بجے صبح (بذریعہ ٹیپ) چوہدری محمد دین ٹی سٹال کرسچن ٹاؤن بانہ مظفر	**کراچی** ہر اتوار ۹½ بجے صبح (بذریعہ ٹیپ) دفتر بزم طلوعِ اسلام۔ دار القائد ۲۰-۱/بی ناظم آباد ۳ فون ۶۱۰۲۶۸
راولپنڈی ہر جمعہ ۵ بجے شام (بذریعہ ٹیپ) جی۔ ۱۶۶۔ لیاقت روڈ	**گجرات** ہر جمعہ بعد نماز جمعہ۔ نیز بروز اتوار ۴ بجے شام بمقام ۱۲/۱/بی بھمبر روڈ (بذریعہ ٹیپ)

[1] چرخ کو، کب یہ سلیقہ ہے ستم گاری میں کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

حقائق و عبر

۱۔ مسٹر اور مہاتما میں فرق

لارڈ مونٹ بیٹن، غیر منقسم ہندوستان کا آخری وائسرائے تھا جو ہندوستان کو متحد رکھنے (تقسیم سے بچانے) کا عزم لے کر آیا تھا۔ لیکن قائداعظمؒ کے ہاتھوں شکست کھا کر، ملک کو دو حصوں میں بانٹ کر گیا۔ (اور جانے سے پہلے بھارت کا گورنر جنرل بھی بنا دیا گیا تھا، ان بددیانتیوں کے صلہ میں جو اس نے تقسیم کے سلسلہ میں بھارت کے حق میں اور پاکستان کے خلاف دھڑلے سے کی تھیں۔) حال ہی میں اس نے بی بی سی۔ لنڈن کے ایک انٹرویو کے سلسلہ میں، تقسیم ہند کے آخری مرحلہ کے سلسلہ میں اپنے تاثرات بیان کئے ہیں۔ (جو پاکستان ٹائمز، لاہور، بابت ۲۵ دسمبر میں شائع ہوئے ہیں۔) اس میں دو ایک واقعات بڑے دلچسپ ہیں۔

"مہاتما" گاندھی (اچھوتوں کا نمائندہ بننے کی خاطر) ایک دھوتی باندھتے۔ تھرڈ کلاس میں سفر کرتے، اور دہلی آتے تو بھنگیوں کی بستی میں ایک کٹیا میں قیام کرتے۔ اور کانگریس کی طرف سے ان کی اس "فقیر منشی" کا دنیا بھر میں ڈھول پیٹا جاتا اور لارڈ مونٹ بیٹن نے کہا ہے کہ اس نے ایک دفعہ مسز سروجنی نیڈو سے کہا۔ (جس کا شمار کانگریس کے چوٹی کے لیڈروں میں ہوتا تھا اور جو بعد میں ایک صوبہ کی گورنر بھی رہی تھیں) کہ:۔

> (میں نہیں سمجھ سکا کہ) آپ لوگ مہاتما گاندھی کو تھرڈ کلاس میں سفر کرنے اور بھنگیوں کی بستی میں، اچھوتوں کے ساتھ رہنے کی اجازت دے کر اپنی اس قدر قیمتی متاع کے لئے ایسا خطرہ کس طرح مول لیتے ہیں؟

اس کے جواب میں مسز سروجنی نیڈو نے کہا:۔

> مہاتما گاندھی کو کچھ علم نہیں کہ ہم اس سلسلہ میں کیا کچھ کرتے ہیں۔ ہم ان کے لئے ریل کے ڈبے کا انتخاب کرتے ہیں۔ اسے اچھی طرح صاف کراتے ہیں، پھر ہم ان لوگوں کا انتخاب کرتے ہیں جنہوں نے ان کے (مہاتما جی کے) ساتھ سفر کرنا ہوتا ہے اور انہیں اچھوتوں کے سے کپڑے پہنا دیتے ہیں۔ دہلی میں ہم بھنگیوں کی بستی کی صفائی کا خاص طور پر اہتمام کرتے ہیں، اور جن لوگوں کو ان کے

ساتھ دار رکھنا مقصود ہوتا ہے۔ ان کا انتخاب کرتے ہیں اور انہیں بھی بھنگیوں جیسے کپڑے پہنا دیتے ہیں۔ اس "بوڑھے آدمی" کو اس طرح مفلسی اور غریبی کی حالت میں دکھانے کے لئے کانگرس کو جو کھیل کھیلنا پڑتا ہے وہ بہت مہنگا پڑتا ہے۔ (لیکن ہمیں یہ کچھ کرنا پڑتا ہے)

یہ تھے بھارت، دیش کے "مہاتما" اور یہ تھے اس "مہاتما" کے پجاری اگرچہ جی بھی سرتاپا فریب' اور ان کے چیلے بھی ہمہ تن دھوکا! - یہ جو مسز سروجنی نیڈو نے کہا ہے کہ مہاتما جی کو اس کا علم نہیں ہوتا تھا کہ ہم ان کے لئے کیا کچھ کرتے ہیں، تو یہ محض کہنے کے لئے ہے۔ جو لوگ "مہاتما جی" کو جانتے ہیں انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ ایسے "بدھو" نہیں تھے۔ وہ بڑا گہرا سیاسی آدمی تھا۔

اس کے ساتھ ہی لگے ہاتھوں اس شخص کی زندگی کا بھی ایک واقعہ سنتے جائیے جو "مہاتما" نہیں محض "مسٹر" تھا۔ مسٹر محمد علی جناح (جو اس وقت ہنوز اسی نام سے متعارف تھے) تقسیم سے پہلے اسمبلی سیشن کے سلسلہ میں، گرمیوں میں اکثر شملہ تشریف لایا کرتے تھے۔ تحریکِ پاکستان کی قیادت اختیار کرنے کے بعد جب وہ پہلی بار وہاں آئے، تو مسلمانانِ شملہ نے ان کے پرتپاک استقبال کا اہتمام کیا۔ ریلوے اسٹیشن سے وہ ایک رکشا میں سوار ہوئے۔ (اس زمانے میں وہاں یہی سواری عام تھی) اور مال روڈ کے راستے آگے بڑھے۔ مال روڈ پر تو صرف سرکاری دفاتر تھے۔ لیکن آگے جاکر ایک راستہ لوئر بازار کی طرف اترتا تھا جہاں عوام کی آبادی تھی اور وہاں کے مسلمان دکانداروں نے استقبال کا خاص اہتمام کر رکھا تھا۔ جب یہ جلوس اس مقام پر پہنچا جہاں سے راستہ نیچے اترتا تھا تو "مسٹر جناح" انگریزی لباس میں ملبوس تھے اور ان کا سفید رنگ کا بڑا سا "ٹوپ" ان کے زانوؤں پر سامنے دھرا رکھا تھا ــــ اس زمانے میں، انگریزوں سے دشمنی کی بنا پر "ٹوپ" کو خاص طور پر نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور کانگریسی لیڈروں نے اسے (بلکہ پورے کے پورے انگریزی لباس کو) ترک کر کے "کھدر کی گاندھی کیپ" پہننا شروع کر دی تھی۔ اس مقام پر بعض لوگوں کے دل میں یہ خیال ابھرا کہ لوئر بازار کے مسلمان اپنے قومی راہ نما کو پہلی بار دیکھیں گے، یقیناً وہ متوقع ہوں گے کہ یہ راہ نما "اسلامی لباس" میں ملبوس ہوگا ــــ "اسلامی لباس" سے اس زمانے میں مراد تھی شیروانی - شلوار اور ترکی ٹوپی .. وہ جب انہیں اس لباس میں دیکھیں گے تو ان پر اس کا کچھ اچھا اثر نہیں ہوگا۔ لیکن اس وقت اس سلسلہ میں ہو کیا سکتا تھا؟ بعض لوگوں نے کہا کہ اور کچھ نہیں تو جناح صاحب سے کہا جائے کہ وہ کم از کم اپنے "ٹوپ" کو نیچے پاؤں میں رکھ لیں تاکہ وہ نمایاں طور پر دکھائی نہ دے - اس تجویز کو لے کر ایک صاحب، جنہیں جناح صاحب سے شرفِ نیاز حاصل تھا، آگے بڑھے اور ان سے جا کر کان میں ہی کچھ کہا۔ جناح صاحب نے اسے سنا، اور برافروختہ ہو کر (لیکن اسی طرح سرگوشیانہ انداز سے) کہا کہ ــــ کیا تم لوگ مجھے مہاتما گاندھی بنا دینا چاہتے ہو؟ ویسے ممکن تھا کہ میں اس ٹوپی کو نیچے بھی رکھ دیتا، لیکن اب ایسا کرنا منافقت ہوگی، جس کی کم از کم مجھ سے توقع نہ رکھو ــــ یہ کہہ

اور اس "ٹوپ" کو نالوؤں سے اٹھا کر سر پر رکھ لیا، اور اسی ہیئت میں، ٹرٹر بازار میں سے گذرے ـــ اور عوام نے بھی اس کا کوئی خیال نہ کیا۔!

وہ تھا جو تھا" اور یہ تھے "مسٹر" ـــ اور اس "مسٹر" کی ظاہر و باطن کی یہی یکسانیت تھی جس نے اسے بقائے دوام کا مستحق بنا دیا ـــ مملکتِ پاکستان اسی پاکیزگیٔ کردار کے صدقہ میں حاصل ہوئی تھی۔

مونٹ بیٹن نے اپنے اسی انٹرویو میں، اُس زمانے کے ممتاز لیڈروں کے متعلق اپنے تاثرات بھی بیان کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں اس نے کہا ہے:۔

> جناح کی شخصیت بھی بڑی نمایاں اور ممتاز تھی۔ چٹان کی طرح اپنے مقام پر محکم اور سخت، اور اس کے ساتھ انتہائی درجہ کا ٹھنڈے دل و دماغ کا انسان۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ تم اس کے سینے کی گہرائیوں میں اتر سکو۔ نہایت ذہین و فطین۔ وہ میرے دلائل کو نہایت آسانی سے سمجھ جاتا۔ لیکن اس کے بعد ایسا محسوس ہوتا جیسے اس نے اپنے اور میرے درمیان کوئی پردہ لٹکا دیا ہو۔ وہ ان تمام دلائل کو ایک طرف رکھ دیتا اور میں ان کے جواب کے لئے اس کے دماغ میں تھوڑا سا تحرک پیدا کرنے میں بھی ناکام رہتا۔ میں اسے اس کے مقام سے ذرا بھی سرکا نہ سکتا۔

یہ تھا وہ "آہنی مرد" جس نے اس دَور کی چومکھی لڑائی تن تنہا لڑی اور جیتی تھی؛ اقبالؒ کے الفاظ میں سہ

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

آسماں اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے۔

۲۔ قائدِ اعظمؒ کے خلاف سازش

سالِ گذشتہ تو قائدِ اعظم کے یومِ پیدائش کے سلسلہ میں سرکاری طور پر "ایک ہفتہ" منایا گیا تھا۔ جس میں بھانت بھانت کی بولیاں بولی گئیں تھیں۔ امسال، لاہور میں پاکستان نیشنل سنٹر کے زیرِ اہتمام ایک جلسہ منعقد ہوا، جس کی صدارت، مسٹر طاہر محمد خان، پاکستان سینٹ کے ڈپٹی چیرمین نے فرمائی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا۔

> قائدِ اعظمؒ نے اپنی متعدد تقاریر میں، نہایت وضاحت سے اعلان کیا کہ پاکستان کا اقتصادی نظام "اسلامک سوشلزم" پر مبنی ہو گا۔
>
> (پاکستان ٹائمز، بابت ۲۵ر دسمبر ۱۹۷۵ء)

ہم محترم طاہر محمد خان صاحب سے ذاتی طور پر متعارف نہیں۔ لیکن جس منصب پر وہ سرفراز ہیں، اس

سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ بہرحال ایک ذمہ دار شخصیت ہیں۔ ان کے متعلق اس حسنِ ظن کی بنا پر ہم ان سے درخواست کرنے کی جرأت کریں گے کہ وہ براہِ کرم قائدِ اعظمؒ کی ان "متعدد تقاریر میں سے دو چار کے حوالے دے دیں۔ جن میں انہوں نے کہا ہو کہ پاکستان کا اقتصادی نظام "اسلامک سوشلزم" کی بنیادوں پر مبنی ہوگا۔[1] ہمیں امید ہے کہ محترم ظاہر محمد خان صاحب، اس کا ضرور جواب دیں گے جسے ہم بمسرت طلوعِ اسلام میں شائع کریں گے۔

۳۔ یہ مکتبِ فکر ہیں۔ فرقے نہیں!

جریدہ نوائے وقت (لاہور) کی اشاعت بابت ۱۶ر دسمبر ۱۹۷۵ء میں ایک حادثہ کی خبر شائع ہوئی ہے، جس کا عنوان ہے ——— "ملتان میں مسجد کی تولیت پر تصادم" اخبار نے اپنے نمائندۂ خصوصی کی رپورٹ درج کرنے کے بعد سرکاری پریس نوٹ بھی شائع کیا ہے۔ جو حسبِ ذیل ہے:-

> منظور آباد کے علاقے میں شرپسندوں کے اکسانے پر اہلحدیث اور اہل سنت کے درمیان دیرینہ جھگڑے کے نتیجے میں ۱۴ر دسمبر کو صبح آٹھ بجے تصادم ہوا جس کے نتیجے میں دو افراد ہلاک ہو گئے۔ مرنے والوں میں سے ایک کا تعلق اہل حدیث سے جبکہ دوسرے کا تعلق اہلِ سنت سے ہے۔ چند آدمی زخمی بھی ہوئے۔ جنہیں نشتر ہسپتال میں طبی امداد مہیا کرنے کے بعد گھروں کو بھیج دیا گیا۔ اس تصادم کے نتیجے میں مرنے والوں کے نام محمد شریف ولد میاں بھولا سکنہ بستی منظور آباد اور حاجی مختار احمد ولد حاجی چراغ دین سکنہ پرانی منڈی گئوشالہ۔ وہلی گیٹ پولیس نے قتل کے دو مقدمات بالمقابل درج کر لئے ہیں۔ اور تفتیش شروع کر دی ہے۔ مختصراً اس جھگڑے کا پس منظر یہ ہے کہ دونوں گروہوں میں منظور آباد کے قبرستان کی مسجد جنازگاہ پر جھگڑا چلا آ رہا تھا۔ دونوں پارٹیوں کے مقدمات سول عدالتوں میں ہیں اور عدالت نے اس ضمن میں حکم امتناعی جاری کر رکھا ہے۔ یہ انتہائی دیرینہ جھگڑا ہے جس نے دو قیمتی جانوں کی بھینٹ لی۔ صورتِ حال پوری طرح

---

[1] قائدِ اعظمؒ کی زبان سے صرف ایک مرتبہ یہ الفاظ نکلے تھے اور وہ بھی اس طرح کہ چٹاگانگ کے شہریوں نے ان کے اعزاز میں استقبالیہ دیا اور ایڈریس میں یہ الفاظ کہے، تو اس کے جواب میں قائدِ اعظمؒ نے یہ الفاظ دہرائے اور ان کی وضاحت یہ کہہ کر کر دی کہ اس سے مراد اسلامی مساوات اور انسانی اخوت ہے۔

انتظامیہ کے قابو میں ہے اور دونوں فریقوں نے پُرامن رہنے کی یقین دہانی کرائی ہے۔ ملتان شہر یا ضلع کے کسی دوسرے مقام پر کسی قسم کی کشیدگی نہیں اور حالات انتہائی پُرسکون ہیں۔

اس قسم کے جھگڑے اور خونریزیاں ان گروہوں میں ہو رہی ہیں جنہیں اب خیر سے "مکاتبِ فکر" کہا جاتا ہے۔ "مذہبی فرقے" نہیں۔ انسان بھی اپنے آپ کو کس قدر شدید خود فریبی میں مبتلا کر لیتا ہے!

۴۔ ہفتۂ نفاذِ شریعت

جماعتِ اسلامی نے پچھلے دنوں، ہفتۂ نفاذِ شریعت منایا ہے۔ جس کی روئداد، ہفتہ وار ایشیا بابت ۷ دسمبر ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں، ملک کے بڑے بڑے شہروں اور بستیوں میں ان جلسوں کی تفصیل شائع ہوئی ہے جو اس سلسلہ میں منعقد کئے گئے ہیں۔ عنوان یہ ہے:-

سارے دکھوں کا علاج!
اسلامی شریعت کا نفاذ

ان اجتماعات کی جو تفاصیل شائع ہوئی ہیں ان میں اور تو سب کچھ ہے، لیکن ہے نہیں تو یہ کہ "شریعت" سے مراد کیا ہے؟ یہ جماعت بڑی گہری سیاسی تنظیم ہے۔ اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ اگر انہوں نے "شریعت" کی کچھ بھی تفصیل بیان کی تو مختلف فرقوں کی طرف سے اس کی مخالفت ہوگی — جو فرقے آج تک متفقہ طور پر یہ نہیں بتا سکے کہ مسلمان کسے کہتے ہیں، اور "سنت" سے مراد کیا ہے۔ وہ شریعت کی تفصیل پر کس طرح متفق ہو سکتے ہیں۔ یہاں ہر فرقے کی "شریعت" اپنی اپنی ہے۔ اس لئے خیر اسی میں ہے کہ اسے مبہم رہنے دیا جائے اور محض نعرہ سے کام چلایا جائے۔ میکیاولی سیاست کا اوّلیں گُر یہ ہے کہ کوئی بات متعین طور پر نہ کہو۔ عوام کو نعروں سے اُلّو بناؤ۔ اور اس ٹیکنیک میں یہ جماعت، پیش پیش ہے — اقامتِ دین۔ اسلامی نظام۔ اسلام پسند نفاذِ شریعت — اور نامعلوم کتنے اور مقدس اور بلند آہنگ نعرے ہیں جن سے عوام کو بہلایا اور بہکایا جاتا ہے۔

خدا بچائے اس الیکشن کی وبا سے۔ اس کے لئے کیا کیا پاپڑ نہیں بیلنے پڑتے؛ وہ بھی کیا زمانہ تھا، جب اس جماعت کے بانی (اس وقت کے امیر) مودودی صاحب نے یہ فتوےٰ صادر فرمایا تھا کہ:-

الیکشن میں حصہ لینا از روئے شریعت ناجائز ہے۔

۵۔ طوعاً نہیں تو کرہاً

ہمارا مذہب پرست طبقہ اگر طوعاً قرآنِ کریم کی طرف نہیں آتا تو اُسے کرہاً اس طرف آنا پڑتا ہے اگرچہ — بعد از خرابیٔ بسیار — اور کرہاً سے مراد یہ ہے کہ جوں جوں علم و بصیرت کی روشنی پھیلتی ہے، دنیا توہم پرستیوں سے متنفر ہو کر عقل و فکر کی رو سے بات سمجھنے کا تقاضا کرتی ہے۔ اس کی ایک نمایاں مثال حال ہی میں ہمارے سامنے آئی ہے۔

ہمارے ہاں یہ عقیدہ مسلسل چلا آ رہا ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے (حضرت اسمٰعیلؑ) کو خدا کی راہ میں قربان کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے اس حکم کی تعمیل میں بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے لٹا دیا۔ اور خدا نے اسے بچا لیا۔ اور اس کی جگہ جانور کی قربانی کا حکم دے دیا۔

عرصہ ہوا، پرویز صاحب نے اس سلسلہ میں لکھا کہ وہ خواب، حضرت ابراہیمؑ کے اپنے خیالات کا عکاس تھا۔ خدا کی طرف سے نہیں تھا۔ خدا کے متعلق یہ تصوّر کرنا کہ وہ انسانوں کی قربانی کا حکم دے گا، بڑی زیادتی ہے۔ باقی رہا حضرت اسمٰعیلؑ کا "ذبحِ عظیم" ہونا۔ تو اس سے مراد یہ تھی کہ انہیں اور ان کی ذریت کو وادیٔ غیر ذی زرع میں خانۂ خدا کی تولیت کے لئے وقف کر دیا جائے۔ اس پر ہماری مذہبی پیشوائیت کی طرف سے جو طوفان برپا کیا گیا وہ ان فتاویٰ سے ظاہر ہے، جو پرویز صاحب کے خلاف صادر کئے گئے تھے۔

اور اب یہ طبقہ خود اس طرف آ رہا ہے۔ گذشتہ عیدالاضحیٰ کی تقریب پر نوائے وقت (لاہور) کی ۱۴ر دسمبر کی اشاعت میں، مولانا محمد عنایت اللہ وارثی کے قلم سے ایک مبسوط مقالہ شائع ہوا ہے، جس میں انہوں نے پہلے یہ بتایا ہے کہ جس زمانے میں حضرت ابراہیمؑ کی بعثت ہوئی۔ ان کی قوم (بلکہ ساری دنیا) کس کس قسم کی جہالتوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک "رسم بد" انسانوں کو (بزعم خویش) خدا کی راہ میں قربان کر دینا بھی تھا۔ اس کے بعد انہوں نے لکھا ہے:۔

> ایسے موقع پر ملک کے سب سے بڑے پروہت شاہی بت خانوں کے مہتمم اور منتظم اعلیٰ آذر کے بیٹے ابراہیمؑ نے آخری عمر میں اپنے ایک تمثیلی خواب کو عینی خواب تصوّر کر کے اکلوتے نوجوان بیٹے اسمٰعیلؑ کو چھیانوے سال کی عمر میں اطاعت کے سچے جذبہ کے تحت ذبح کرنے کی کوشش کی۔ لیکن قدرت کو اس خواب میں اسمٰعیلؑ کو خانۂ کعبہ کی خدمت کے لئے وقف کر دینے کا اشارہ مقصود تھا اور انسانی قربانی کی اس بدرسمی کو جس میں ایک اشرف مخلوق انسان کو خدا کی راہ میں جہاد کر کے شہادت کا رتبہ بلند حاصل کرنے اور کلمۃ اللہ کے بلند کرنے کے بجائے یوں ہی لٹا کر بے مقصد ذبح کرایا جائے۔ ہمیشہ کے لئے مٹا دینا مطلوب تھا۔

اور یہ کارِ خیر پیغمبرؑ ہی کے ہاتھ سے کرانا ضروری تھا۔ اس کے بجائے حیوانی قربانی کا فطری عمل رواج پانا تھا۔ جو آج تک چلا آ رہا ہے۔ وہ بھی صرف خدا ہی کے نام پر۔ جو ہر جان کا پیدا کرنے والا ہے اور اس امانت کی واپسی کا حقدار ہے۔ چنانچہ یہ عمل پورا ہوا۔

اس صورت میں اسمٰعیلؑ ذبیح اللہ ان معنوں میں ذبیح نہیں کہ انہیں فی الواقعہ چھری سے ذبح کرایا گیا اور نہ ابراہیم علیہ السلام کی سنت یہ ہے کہ انہوں نے بیٹے کو ذبح کیا ہے۔ بلکہ سنتِ ابراہیمیؑ بیٹے کو ذبح نہ کرنا ہے۔ جس عمل نے انسان کو اس طرح اس کی رضا میں ذبح کرنے کی رسمِ بد کو ہمیشہ کے لئے جدِّ انبیاء (ابراہیمؑ) کے ہاتھوں ختم کرایا۔

آپ نے غور فرمایا کہ اس میں "انسانی قربانی" کو کس طرح "بدرسم" قرار دیا گیا ہے اور حضرت ابراہیمؑ کے خواب کو تمثیلی بتایا گیا ہے! پھر حضرت اسمٰعیلؑ کے "ذبحِ عظیم" ہونے کی توجیہہ بھی وہی بیان کی گئی ہے جسے پرویز صاحب نے عرصہ پہلے پیش کیا تھا۔!

یہ ہے زمانے کے تقاضوں سے مجبور ہو کر قرآنی حقائق کی طرف آنا۔

لیکن اس کے باوجود، یہاں خیر سے ایک ایسے "بزرگوار" بھی موجود ہیں، جن کی زندگی کا گویا مشن یہ ہے کہ اسلام کو ایسی گھناؤنی شکل میں پیش کیا جائے، جس سے دنیا اس سے متنفر ہو جائے۔ عید الاضحٰے ہی کی تقریب پر انہوں نے بھی ایک تقریر کی جس میں حضرت ابراہیمؑ کے اس واقعہ کے متعلق فرمایا:-

بہرحال بچہ کچھ ہوشیار ہوا۔ اس عمر کو پہنچا کہ باپ کا دست و بازو بن سکے۔ اس وقت اشارہ ہوتا ہے کہ اسے قربان کر دو۔ صاف الفاظ میں یہ حکم نہیں ہے کہ اسے قربان کر دو۔ خواب میں یہ دکھایا جاتا ہے کہ اس کو قربان کر رہے ہیں۔ یعنی حکم کے الفاظ میں نہیں۔ صرف ایک فعل دکھایا جا رہا ہے کہ وہ بچے کو قربان کر رہے ہیں۔ نبی کا خواب، چونکہ وحی کی نوعیت رکھتا ہے۔ اس لئے اس خواب کو دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی جگہ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ مجھ سے میرے بیٹے کی۔ میرے اکلوتے بیٹے کی قربانی مانگی جا رہی ہے۔

(مودودی صاحب کی تقریر۔ جامعہ منصورہ۔ لاہور۔ بحوالہ چٹان۔ بابت ۲۹ دسمبر ۱۹۷۵ء)

یعنی یہ صاحب اب بھی فرما رہے ہیں کہ "نبی کا خواب وحی کی نوعیت رکھتا ہے"۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ (حکم نہ سہی اشارہ) خود خدا کی طرف سے ہوا تھا! (معاذ اللہ۔ ثم معاذ اللہ) یعنی جس عمل کو ایک مولانا صاحب، زمانۂ جاہلیت کی "رسمِ بد" قرار دے رہے ہیں جسے حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں مٹانا مقصودِ خداوندی تھا، یہ حضرت اسی کے متعلق فرما رہے ہیں کہ اس رسم پر عمل پیرا ہونے

کا حکم (اشارہ) خود خدا نے وحی کے ذریعے دیا تھا۔!

اور یہ ہے اس تفسیر القرآن کا نمونہ جس کے تراجم اب غیر ملکی زبانوں میں کئے جا رہے ہیں۔!

از باغبان شد است کہ صیاد آں نہ کرد

واضح رہے کہ خدا کی طرف سے وحی خوابوں کے مبہم اشارات میں نہیں آیا کرتی تھی۔ وہ قلبِ نبوی پر نازل ہوا کرتی تھی۔ (۲/۹۷) اور واضح زبان میں (۲۶/۱۹۲-۹۵)

۶۔ ہوئے تم دوست جس کے.....!

"دو قومی نظریہ" اسلام کے بنیادی تصورات میں سے ہے اور اسی بنیاد پر مملکتِ پاکستان کی عمارت استوار ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر اس (تصور) کو (پہلے) دھندلا اور (آخرالامر) مٹا دیا جائے، تو اس مملکت کی بنیادیں بھی متزلزل ہو جائیں گی۔ یہ (اگر باقی رہ بھی گئی تو) سیکولر اسٹیٹ بن جائے گی اور اسلام دین کے بجائے مذہب ہو جائے گا۔ یعنی پاکستان اسی سطح پر آ جائے گا جس پر بھارت ہے۔ اس مذموم مقصد کے لئے یہاں ایک عرصہ سے ایک گہری سازش کارفرما ہے، جس کا صدر مقام اسلام آباد ہے، اور مرکزی کردار فیض احمد فیض (اینڈ کو) ادا کر رہے ہیں۔ ان کی ٹیکنیک یہ ہے کہ یہاں علاقائی ثقافت کے نظریہ کو اس قدر عام کیا جائے کہ اسلام کے رشتہ سے امتِ واحدہ کا تصور غائب ہو جائے۔ اس کا پروپیگنڈہ بڑی شدومد سے جاری ہے۔ کیونکہ حکومت کے ذرائع ابلاغ ان کے تصرف میں ہیں۔ انہی حضرات کی طرف سے پچھلے دنوں امیر خسرو کی یاد میں ایک دن نہیں، ایک ہفتہ نہیں، بلکہ کئی مہینے "منائے گئے"۔ مملکت کے تمام بڑے بڑے شہروں میں خاص تقریبات منعقد ہوئیں، جن میں مذاکرے ہوئے، مباحثے ہوئے، مشاعرے ہوئے۔ خسرو پر مقالات لکھے گئے۔ خطابات شائع ہوئے۔ چشمِ نگراں حیران تھی کہ آگے نہ پیچھے، اب امیر خسرو کا درد ان حضرات کے دل میں کیوں جاگا، اور انہیں اس قدر اہمیت دینے کا مقصد کیا؟ جب یہ معلوم ہوا کہ ان تقاریب میں شرکت کے لئے روس سے بھی ایک دانشور تشریف لائے ہیں۔ تو کچھ کچھ بادل چھٹے اور یہ مترشح ہوا کہ اس پردۂ زنگاری کے پیچھے کون معشوق ہے! اب ہمارے ایک کرم فرما نے، کراچی سے شائع ہونے والے روزنامہ ڈان کی اشاعت بابت ۷ دسمبر ۱۹۷۵ء کا ایک تراشا بھیجا ہے جس میں کسی صاحب کے قلمی نام (ARIEL) سے ایک مقالہ شائع ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کسی صاحب نے امیر خسرو کے سلسلہ میں منعقد ہونے والی تقاریب پر کوئی تنقید کی تھی جو ان صاحب کو بہت ناگوار گذری، اور انہوں نے اس کے جواب میں یہ مقالہ سپردِ قلم فرمایا۔ اس کا ہم صرف ایک اقتباس درجِ ذیل کرتے ہیں جو ہمارے پیشِ نظر مقصد کی وضاحت کے لئے کافی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

ہم پاکستانیوں کے لئے خسرو بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس نے ایک ہندیشی (یعنی

مسلمانوں کی ثقافت) اور ملکی (ہندی) ثقافت کے نادر امتزاج کی عظیم مثال قائم کی ..... اگر خسرو کو، پاکستانی قومیت اور اس کے بنیادی خواص و لوازم کی تشکیل نو کے دائرۂ کار سے باہر نکال دیا جائے، تو (فرمائیے کہ) اور کون ہے جو اس خلا کو پُر کر سکے گا؟ خسرو ہی کی وہ شخصیت ہے جس نے ان متضاد عناصر کو اپنی ذات میں ملا کر دکھا دیا تھا۔!

اب آپ سمجھے کہ خسرو کی یاد میں یہ تقاریب کس مقصد کے لئے منائی جا رہی تھیں؟ یہاں پاکستانی قومیت کی تشکیلِ جدید کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ اور یہ تمام حربے اسی ملعون مقصد کی تکمیل کی مختلف کڑیاں ہیں۔!

اور اب انہی حضرات کے زیر اہتمام (خیر سے) قائدِ اعظمؒ کا "سال" منانے کا پروگرام ترتیب پا رہا ہے۔ جس کی "بسم اللہ" یکم جنوری کے مختلف اجتماعات سے ہو چکی ہے۔ اس پروگرام کی رُو سے، قائدِ اعظمؒ کا کس قسم کا تصور قوم کے نوجوانوں، اور آنے والی نسلوں کے لئے متشکل کیا جائے گا، اس کی پیش گوئی کے لئے کسی منجم کی ضرورت نہیں۔

اور اس کے بعد اقبال کے صد سالہ جشن کی باری آئے گی!

اُف! کس قدر سچ کہا تھا اس دانائے راز نے کہ ؎

بدل کے بھیس زمانے میں پھر سے آتے ہیں اگرچہ پیر ہے آدم، جواں ہیں لات و منات

۷۔ ایک بڑا اہم عزیز طلب مسئلہ

آجکل امریکہ کی عدالت میں ایک نہایت اہم، مشکل اور اپنی مثال کا واحد مسئلہ زیرِ غور ہے۔ ایک جوان لڑکی، گذشتہ کئی ماہ سے، گہری غشی کے عالم میں پڑی ہے۔ اسے صرف مصنوعی تنفس کے آلات کے ذریعے زندہ رکھا جا رہا ہے۔ ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ وہ کبھی ہوش میں نہیں آ سکے گی۔ اس کے والدین کے لئے اس کی یہ نہایت تکلیف دہ حالت ناقابلِ برداشت ہو گئی۔ انہوں نے ڈاکٹروں سے کہا کہ وہ اس مصنوعی تنفس کو بند کر دیں تاکہ یہ بیچاری آرام اور احترام سے موت کے آغوش میں چلی جائے۔ ڈاکٹروں نے ان کی درخواست یہ کہہ کر مسترد کر دی کہ ہمارا یہ اقدام، طب کے ضابطۂ اخلاق کے خلاف ہوگا۔ ہمارا کام انسانوں کو زندہ رکھنے کی کوشش کرنا ہے، زندہ انسانوں کو مار دینا نہیں۔ یہ تو قتل کے مرادف ہوگا۔ اس پر وہ والدین، اس قضیہ کو عدالت میں لے گئے کہ انہیں قانوناً اجازت دی جائے کہ وہ مصنوعی تنفس کا سلسلہ ختم کر دیں۔ عدالت میں ڈاکٹر اپنے مؤقف پر قائم رہے۔ انہوں نے کہا کہ اس مریضہ کے شفایاب ہونے کی کوئی امید نہیں۔ لیکن ہم یہ تیقن ایسا نہیں کہ سکتے کہ یہ بچے گی نہیں۔ اور اگر ایسا کہہ بھی سکیں تو ہم اپنے ہاتھوں اسے مار نہیں سکتے۔ ایک (رومن کیتھولک) پادری نے کہا کہ

ہمارے مسلک کی رُو سے، جان بچانے کے لئے غیر معمولی ذرائع اختیار کرنے کی اخلاقی نقطۂ نگاہ ضروری نہیں۔ لیکن ویٹیکن کے اخبارات نے اس کے اس موقف کی تردید کر دی۔ ان شہادات کے بعد، عدالت نے، لڑکی کے والدین کی درخواست مسترد کر دی۔ اب وہ اس مقدمہ کو سپریم کورٹ میں لے جا رہے ہیں۔

وہاں (اور برطانیہ میں بھی) یہ مسئلہ اچھی خاصی بحث کا موضوع بن رہا ہے۔ سوال یہ زیرِ بحث ہے کہ اگر مریض انتہائی کرب و اذیت میں مبتلا ہو۔ مرض لاعلاج ہو۔ تو کیا یہ ہمدردی کا تقاضا نہیں کہ اُسے مار دیا جائے اور اس طرح اسے اس درد و الم کی زندگی سے نجات دلا دی جائے۔ اس قسم کی زندگی کا سلسلہ مصنوعی طریقوں سے دراز کرنا مریض کے حق میں ظلم ہے۔

کیا ہمارے ہاں کے ڈاکٹر صاحبان اس اہم سوال پر کوئی روشنی ڈالیں گے؟ اگر کوئی صاحب اس سلسلہ میں کچھ لکھیں، تو طلوعِ اسلام اسے بہ تشکر شائع کرے گا۔ لیکن بات حقائق اور دلائل پر مبنی ہو محض جذبات پر نہیں۔

رابطۂ باہمی

انگلستان میں مقیم بعض قرآنی احباب کی کوششوں کے نتیجہ میں "بزمِ طلوعِ اسلام لندن" قائم ہو گئی ہے۔ ان احباب نے اپنی نمائندگی کے لئے محترم محمد سلیم اختر صاحب کو منتخب کیا ہے جن کا پتہ اور رابطہ کے لئے ٹیلی فون نمبر حسبِ ذیل ہے:-

M. SALEEM AKHTAR
63- HAZELWOOD ROAD, WALTHAMSTOW,
LONDON E.17, 7-AG: (U.K) TEL: No: 01-520-5685

لندن میں ہر مہینے کے پہلے اتوار کو ۲½ بجے بعد دوپہر مفکرِ قرآن محترم پرویز صاحب کا درس قرآن (ٹیپ ریکارڈ) بھی محترم مقبول محمود فرحت صاحب کے مکان پر سنایا جاتا ہے۔ پتہ حسبِ ذیل ہے۔

149- SUTTON COURT ROAD,
LONDON. E.13. (U.K) TEL: No: 553-1517

ادارہ ہذا بزمِ طلوعِ اسلام لندن کے قیام کی توثیق کرتے ہوئے جملہ قارئین طلوعِ اسلام مقیم لندن (و گردونواح) سے گذارش کرتا ہے کہ وہ بزمِ لندن سے رابطہ قائم کریں اور مفکرِ قرآن کے درسِ قرآن سے مستفید ہوں۔

ناظم ادارہ طلوعِ اسلام
۲۵-بی-گلبرگ ۲ لاہور

باب المراسلات

۱۔ فرقے کی پہچان

ایک صاحب لکھتے ہیں:۔

طلوع اسلام کے خلاف مولوی صاحبان کا ایک اعتراض یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ "پرویزی فرقہ" کا رسالہ ہے۔ جب ان سے کہئے کہ پرویزی فرقہ کوئی نہیں تو وہ رٹ لگائے جاتے ہیں کہ نہیں! پرویزی فرقہ ہے! کیا آپ بتائیں گے کہ فرقہ کی پہچان کیا ہے اور طلوع اسلام کس طرح کوئی فرقہ نہیں؟

طلوع اسلام فرقے کی پہچان بڑی آسان ہے اور وہ یہ کہ ہر فرقہ دوسروں سے الگ نماز پڑھتا ہے۔ لہٰذا جو لوگ اپنی نماز الگ پڑھیں، سمجھ لیجئے کہ وہ الگ فرقہ سے متعلق ہیں۔ اکثر تو ہر فرقہ کی نماز ہی مختلف ہوتی ہے۔ لیکن ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ نماز دوسروں سے مختلف نہ ہو، لیکن وہ لوگ الگ نماز پڑھیں۔ مثلاً جب "احمدی" اپنے آپ کو مسلمانوں کا فرقہ شمار کراتے تھے۔ تو وہ نماز تو وہی پڑھتے تھے جو حنفی مسلمان پڑھتے ہیں، لیکن نماز پڑھتے تھے دوسروں (یعنی کہ حنفیوں) سے الگ۔

فرقوں کی یہ علامت ہماری وضع کردہ نہیں۔ قرآن کریم کی بیان فرمودہ ہے۔ خود رسولؐ اللہ کی زندگی میں، مدینہ میں ایک الگ مسجد تعمیر کرنے کی کوشش کی گئی۔ ظاہر ہے کہ اس مسجد کے تعمیر کرنے والوں نے نہ اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کر لیا تھا، نہ ہی انہوں نے کوئی نئی نماز وضع کر لی تھی۔ لیکن ان کا الگ مسجد بنانے کا) یہ جرم اس قدر سنگین تھا کہ خود اللہ تعالےٰ نے اس فتنہ کو فرو کرنے کے لئے سخت ترین الفاظ میں تاکید کی۔ اس نے کہا کہ یہ مسجد نہیں، ان لوگوں کے لئے کمین گاہ ہے جو خدا اور رسولؐ کے خلاف جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ (اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔ ۹/۱۰۷) ہم نے ابھی ابھی کہا ہے کہ ان لوگوں نے اسلام کو چھوڑ کر کفر نہیں اختیار کر لیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود قرآن کریم نے ان کی اس مسجد سازی کو کفر قرار دیا۔ (۹/۱۰۷) اور حضورؐ سے ارشاد فرمایا کہ "تم اس میں قدم تک نہ رکھنا۔" (لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا۔) اور اس کے بعد کہا کہ یہ مسجد ان لوگوں کو جہنم میں لے جائے گی۔ سوال یہ ہے کہ ان لوگوں کا یہ جرم کیا تھا، جس کی پاداش میں ایسا کچھ کہا گیا۔ سنئے اور غور سے سنئے۔ یہ جرم تھا۔ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (۹/۱۰۷) مسلمانوں میں تفرقہ پیدا

کرنا۔ اور اس کی علامت کیا تھی؟ الگ مسجد! یہی وہ فرقہ سازی ہے جسے قرآن کریم نے یہاں کفر اور دوسرے مقام پر شرک کہہ کر پکارا ہے۔ (۳۰/۳۱)

جب تک اسلام، دین کی شکل میں رہا، اُمت میں کوئی فرقہ پیدا نہ ہوا ـــــ یاد رکھئے! وحدتِ اُمت دین کی بنیادی شرط ہے۔ اگر یہ وحدت باقی نہ رہے تو پھر دین باقی نہیں رہتا۔ وہ دیگر مذاہب کی طرح مذہب بن جاتا ہے۔ ان فرقوں میں سے بہت سے مٹ مٹا گئے، اور بہت تھوڑے سے باقی رہ گئے۔ اس کے بعد جدید فرقہ سازی کی دہا ختم ہو گئی۔ لیکن اس نے ہمارے زمانے میں پھر سر نکالا۔ پہلے "احمدیوں" نے اپنے آپ کو مسلمانوں کے ایک فرقہ کی حیثیت سے متعارف کرا کر الگ نماز پڑھنا شروع کی اور اس کے بعد فرقہ اہلِ قرآن نے ایک الگ نماز ایجاد کی اور باقی فرقوں سے الگ نماز پڑھنے لگے۔ اور اس کے لئے اپنی الگ مسجد بھی تعمیر کر لی۔ "احمدیوں" کے غیر مسلم قرار پا جانے سے ان کا شمار مسلمانوں کے فرقوں میں نہ رہا۔ وہ "فرقہ" یوں ختم ہو گیا۔ باقی رہے "اہلِ قرآن" سو وہ چند دنوں کی کھیل ہے۔ اس فرقہ میں باقی رہنے کی سکت نہیں۔ یہ اپنی موت آپ مر جائے گا۔ جو باقی فرقے چلے آ رہے ہیں، بحالات موجودہ، ان کے مٹ کر اُمتِ واحدہ بن جانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اگر ہمارے کوئی ایسی مملکت وجود میں آ گئی جس نے اسلام کو پھر سے دین کی شکل میں متمکن کر دیا، تو اُس وقت اس اُمتِ متفرقہ کا اُمتِ واحدہ میں تبدیل ہو جانے کا امکان ہو گا۔ اگر ایسا نہ ہوا، تو پھر اسلام، دین کی شکل اس قوم میں اختیار کر سکے گا جو پہلے پہل مسلمان ہو گی اور قرآن مجید کی بنیادوں پر مملکت قائم کرے گی۔ ہمارا ایمان ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا۔ کیونکہ خدا کا اعلان ہے کہ یہ دین غالب آ کر رہے گا۔

ان تصریحات کی روشنی میں آپ سوچئے کہ جو طلوعِ اسلام، فرقہ سازی کو (از روئے قرآن) شرک قرار دیتا ہو، کیا وہ خود ایک فرقہ بنائے گا؟ جو لوگ "پرویزی فرقہ" کی رٹ لگاتے ہیں، آپ ان سے پوچھئے کہ اس مبینہ "فرقہ" کے لوگ کونسی الگ نماز پڑھتے ہیں اور اُن کی علیحدہ مسجد کون سی ہے! الگ مسجد بنانا تو ایک طرف، اس باب میں طلوعِ اسلام کی احتیاط کا تو یہ عالم ہے کہ یہ اپنی کنونشن میں بھی جلسہ گاہ یا قیام گاہ میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ شرکاء سے تاکید کرتا ہے کہ وہ قرب و جوار کی مساجد میں جا کر نماز پڑھیں۔ لیکن اس کے باوجود، یہ حضرات "پرویزی فرقہ" کی رٹ برابر لگائے جائیں گے۔ اس کی خاص وجہ ہے۔

جب سے مسلمانوں میں فرقے پیدا ہونے شروع ہوئے، یہ آواز طلوعِ اسلام کی طرف سے پہلی بار بلند ہوئی کہ قرآنِ کریم کی رو سے فرقہ سازی شرک ہے۔ اس سے پہلے ہوتا یہی تھا (اور اب بھی یہی ہو رہا ہے) کہ ہر فرقہ، دوسرے فرقوں کے خلاف کفر کے فتوے صادر کرتا تھا اور اپنے آپ کو صحیح اسلام کا پابند اور "ناجی" قرار دیتا تھا۔ جب طلوعِ اسلام کی طرف سے یہ آواز بلند ہوئی تو ظاہر ہے کہ اس کی مخالفت تمام فرقوں کی طرف سے ہونی تھی۔ اس کی مخالفت تو ان سب نے کی ـــ لیکن

طلوعِ اسلام کی طرف سے قرآنِ کریم کی جو آیات پیش کی جاتی تھیں۔ (جن میں اس نے فرقہ بندی کو کفر اور شرک قرار دیا ہے) ان کا جواب، ان سے بن نہیں پڑتا تھا۔ بالآخر انہوں نے زچ ہو کر، اس کا علاج یہ سوچا کہ مشہور کر دیا جائے کہ طلوعِ اسلام کا بانی پرویز ایک نیا فرقہ پیدا کر رہا ہے۔ طلوعِ اسلام اس پر بھی قرآنِ کریم کی آواز بلند کرنے سے نہ رُکا اور ان حضرات سے کہتا رہا کہ اس بحث کو چھوڑیئے کہ طلوعِ اسلام ایک فرقہ ہے یا نہیں، آپ یہ فرمایئے کہ قرآنِ کریم کی رو سے فرقہ سازی شرک ہے یا نہیں، اور جو اُمت فرقوں میں بٹ جائے، کیا اس میں اسلام اپنی اصلی شکل میں باقی رہ سکتا ہے؟ اس کا ان کے پاس گالیوں کے سوا کوئی جواب نہیں تھا۔ جب یہ اس طرح سخت تنگ آ گئے تو کوئی نہایت ہوشیار سیاسی ذہن آگے بڑھا اور اس نے ان کے کان میں یہ افسوں پھونکا کہ تم کہو کہ مسلمانوں میں کوئی فرقہ ہے ہی نہیں، یہ سب مختلف "مکتبِ فکر" ہیں۔ فرقہ کا نام "مکتبِ فکر" رکھا اور اس فریبِ نفس یا ابلہ فریبی سے مطمئن ہو گئے کہ ہم اس الزام سے بری الذمہ ہو گئے ہیں۔ ان کی بدستور الگ الگ نمازیں ہیں۔ الگ الگ مساجد۔ الگ الگ شریعت۔ لیکن اس کے باوجود یہ فرقے نہیں "مکاتبِ فکر" ہیں ـــــ اور طلوعِ اسلام جس کی نہ کوئی الگ نماز ہے، نہ الگ مسجد، نہ الگ شریعت، نہ کوئی الگ دعوےٰ، "فرقہ" ہے! یا للعجب!

یہاں تو اس قسم کے فریبِ نفس سے اپنے آپ کو دھوکا دیا جا سکتا ہے۔ لیکن معلوم نہیں، ان حضرات کو اس دن (یوم ظہورِ نتائج) کا بھی احساس ہے یا نہیں، جس کے متعلق فرمانِ خداوندی ہے کہ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُھُمْ ..... (۴۰/۵۲) جب اس قسم کا فریبِ نفس کوئی کام نہیں دے گا ـــــ مرنے کے بعد جو ایسا دن آئے گا، تو وہ اپنی جگہ (برحق) رہا۔ ہم ان خود فریبوں سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ فرقوں کا نام مکاتبِ فکر رکھ لینے سے کیا آپ کے وہ جھگڑے ختم ہو گئے جو صدیوں سے چلے آ رہے ہیں؟ اس کا ایک جواب آپ کو اس انتہائی جگر سوز سانحہ سے مل جائے گا جو حال ہی میں ملتان میں پیش آیا ہے، اور جسے ہم نے اسی اشاعت میں دوسری جگہ درج کیا ہے؟

اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہ (اور نمازیں تو چھوڑیئے! کیا) آپ کے ان "مکاتبِ فکر" نے گذشتہ عید کی نماز بھی کسی ایک جگہ مل کر پڑھی ہے؟ یا کیا آپ نے کفر کے وہ فتوے واپس لے لئے ہیں جو آپ نے ایک دوسرے فرقے کے خلاف لگائے تھے؟

۲۔ کیا یہ قرآن شریف میں ہے؟

ایک طالب علم اپنے خط میں لکھتا ہے کہ "عید کے موقع پر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے ایک تقریر کی تھی۔ جسے اخبار چٹان نے شائع کیا ہے۔ اس میں مودودی صاحب نے فرمایا کہ:۔

آج تاریخ انسانی کا وہ عظیم دن ہے۔ جس کی نظیر تاریخ میں کوئی دوسری نہیں ملتی۔ ذرا اپنی آنکھوں کے سامنے اس نقشے پر غور کیجئے کہ ایک انسان مکہ معظمہ کی وادی میں جو پہاڑیوں میں گھری ہوئی تھی اور جس میں آس پاس دُور دراز کہیں کسی آبادی کا نشان نہ تھا۔ وہاں اپنے اکلوتے بچے کو لے کر اس کی ماں کے ساتھ چھوڑ دیتا ہے اور پانی کا ایک مشکیزہ اور ایک تھیلے میں کچھ کھجوریں اس کے پاس رکھ دیتا ہے۔ جب وہ وہاں سے پلٹنے لگتا ہے تو اس کی بیوی اس سے کہتی ہے کہ— "مجھے کہاں چھوڑے جا رہے ہو، اس بچے کو کہاں چھوڑے جا رہے ہو" مگر وہ خاموشی کے ساتھ چلے جاتے ہیں۔ آخرکار وہ پوچھتی ہے کہ "کیا خدا کے حکم سے آپ ایسا کر رہے ہیں؟" وہ جواب دیتے ہیں کہ "ہاں!"..... "خدا کے حکم سے ایسا کر رہے ہیں" اور اس صبر و ضبط کی پیکر اور اللہ پر بھروسہ کرنے والی خاتون نے یہ سننے کے بعد، کہ خدا کے حکم سے ایسا کیا جا رہا ہے، کوئی فکر اور کسی پریشانی اور کسی اضطراب کا اظہار نہیں کیا۔ اور اس جنگل میں بیٹھ گئی۔

اس کے بعد یہ طالب علم لکھتا ہے کہ اس واقعہ کے پڑھنے کے بعد میرے دل میں جو خیالات پیدا ہوئے میں انہیں تحریر نہیں کر سکتا۔ میرا دل یہ ماننے کو تیار نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ جیسی عظیم شخصیت نے ایسا کیا ہوگا! لیکن جب میں نے یہ پڑھا کہ حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ "وہ خدا کے حکم سے ایسا کر رہے ہیں" تو میرے دل میں اور بھی اضطراب پیدا ہوا کہ کیا اللہ تعالےٰ اس قسم کے حکم دیتا تھا؟ میں بڑی کش مکش میں مبتلا ہوں۔ مجھے بتایئے کہ کیا یہ واقعہ قرآن مجید میں ہے؟ اگر نہیں تو پھر مودودی صاحب نے ایسا کس طرح کہہ دیا؟

طلوع اسلام یہ واقعہ قرآن شریف میں نہیں۔ تورات میں ہے، اور وہیں سے ہماری کتب روایات میں درج کر دیا گیا ہے اور اسی کو مودودی صاحب جیسے مفسر عام کرتے چلے جا رہے ہیں تاکہ سوچ سمجھ سے کام لینے والے طالب علم اسلام سے برگشتہ ہوتے جائیں — اور جب طلوع اسلام یہ کہتا ہے کہ بابا! خدا کے لئے اس قسم کی وضعی روایات کو رسول اللہؐ کی احادیث مت کہو، تو اسے "منکرِ حدیث" قرار دے کر بدنام کرنے کی مہم شروع کر دی جاتی ہے!

اس میں شبہ نہیں کہ مودودی صاحب اپنے مشن میں بہت کامیاب! اس طالب علم نے تو اپنے شکوک کے ازالہ کے لئے ہم سے رجوع کر لیا۔ نجانے اس جیسے کتنے طلباء (اور دیگر تعلیم یافتہ نوجوان) ان باتوں کو اسلام کی تعلیم سمجھ کر دین سے برگشتہ ہو چکے ہیں، اور ہوتے جا رہے ہیں!۔

دشمن کی شہادت

(ادارہ بہشت سے جبرت افزا راز)

عربی زبان کی ایک ضرب المثل ہے کہ سب سے معتبر شہادت وہ ہوتی ہے جو دشمن کی طرف سے سامنے آجائے۔

جو لوگ قائدِاعظمؒ کے خلاف خبثِ باطن کی آگ ابھی تک سینے میں دبائے بیٹھے ہیں، ان کی طرف سے (قائدِاعظمؒ کے خلاف) ایک الزام یہ بھی عائد کیا جاتا ہے کہ تقسیم ہند کی اسکیم درحقیقت انگریز کی سازش تھی جسے بروئے کار لانے کے لئے قائدِاعظمؒ کو آلۂ کار بنایا گیا تھا۔ اس الزام کی تردید میں، داخلی اور خارجی شہادات کی بنا پر بہت کچھ کہا گیا، لیکن اب اس سلسلہ میں ایک ایسی شہادت سامنے آئی ہے جس کے معتبر ترین ہونے میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ سکتا۔ کیونکہ وہ دشمن کی شہادت ہے۔

تحریکِ پاکستان کے دوران، حکومتِ برطانیہ کی طرف سے یکے بعد دیگرے کئی وائسرائے بھیجے گئے کہ وہ ہندوستان کو متحد رکھنے کی کوشش کریں۔ جب وہ اس مقصد میں ناکام رہ گئے تو انہوں نے ملکہ وکٹوریہ کے پوتے، لارڈ مونٹ بیٹن کو بھیجا کہ وہ اس مہم کو سر کرے۔ اس نے یکم جنوری ۱۹۴۷ء کو زمامِ اقتدار اپنے ہاتھ میں لی۔

حال ہی میں (یعنی تقسیمِ ہند کے اٹھائیس سال بعد) بی۔بی۔سی (لنڈن) سے لارڈ مونٹ بیٹن کا ایک انٹرویو براڈ کاسٹ ہوا ہے جو بہت سی ایسی معلومات پر مشتمل ہے جو آج تک (خود لارڈ مونٹ بیٹن کے الفاظ میں) صیغۂ راز میں چلی آرہی تھیں۔ یہ انٹرویو کراچی کے روزنامہ ڈان کی ۸ رنومبر ۱۹۷۵ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔ ملاحظہ فرمایئے:۔

سوال:۔ کیا اُس وقت ہندوستان کو متحد رکھنے کا کوئی امکان تھا؟

جواب:۔ میں ہندوستان گیا ہی اس مقصد کے لئے تھا کہ اُسے کسی طرح متحد رکھ سکوں۔ ہم صدیوں کے بعد اس ملک کو چھوڑ رہے تھے، تو چاہتے تھے کہ اسے ایک متحد ملک کی شکل میں چھوڑ کر جائیں۔ اگر ایسا ہو سکتا تو یہ ایک عظیم کارنامہ ہوتا۔ اس کا ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا ایک الم انگیز حادثہ تھا، جس سے ہندوستان کی قوت پارہ پارہ ہو جاتی۔ لہٰذا میں نے اس مقصد کے لئے انتہائی کوشش کی۔ لیکن اس کی راہ میں ایک ایسا شخص حائل تھا جو پہاڑ کی طرح رکاوٹ بنے کھڑا

تھا۔ اور وہ تھا مسٹر محمد علی جناح۔ صدر مسلم لیگ۔ جو شروع ہی سے "نہ" کہتا چلا گیا اور اس کے اس ارادہ کو بدلنے کے لئے میری ہر کوشش ناکام رہ گئی۔ مجھے بالآخر اس کے سامنے جھکنا پڑا۔ اس کے بعد کیا ہوا، وہ بڑا دلچسپ اور غیر معمولی واقعہ ہے۔

۲ر جون ۱۹۴۷ء کی صبح میں نے تمام لیڈروں کو جمع کیا اور انہیں تقسیم ہند کے پلان کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ میں نے ان سے کہا کہ اس کے متعلق میں ان سے ان کا جواب فوراً نہیں مانگتا۔ وہ مجھے نصف شب تک جواب دیں۔

نصف شب تک سکھوں کے نمائندہ، بلدیو سنگھ کی طرف سے، ہاں، میں جواب آ گیا۔ کانگریس کے نمائندہ کرپلانی (صدر کانگریس) نے بھی ہاں کہہ دی۔ لیکن چند ایک شرائط کے ساتھ۔۔۔ وہ شرائط ایسی تھیں جنہیں میں بآسانی قبول کر سکتا تھا۔۔۔ لیکن جناح کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا۔ چنانچہ میں نے مسٹر جناح کو بلایا۔ وہ آدھی رات کے قریب آئے، لیکن کچھ عجیب سے مزاج کے ساتھ۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں نے وہ پلان تیار کر دیا ہے جسے آپ پاکستان کے لئے چاہتے تھے!

جواب ملا۔ ہاں! مجھے معلوم ہے!

"تو کیا آپ کو وہ منظور ہے؟" میں نے پوچھا۔

جواب ملا کہ۔ مجھے اس کا کوئی اختیار حاصل نہیں۔ دستور کی رو سے میں صرف (مسلم لیگ کمیٹی) کا صدر ہوں۔ مجھے مسلم لیگ کونسل کا اجلاس طلب کرنا ہوگا۔ وہی آپ کے سوال کا جواب دے سکے گی۔ اور اس کے لئے کم از کم ایک ہفتہ کی مدت درکار ہوگی۔

میں نے کہا۔ اگر آپ نے اس میں ایک ہفتہ کی تاخیر کر دی تو سارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ آپ جانتے ہیں کہ آپ کی طرف سے تاخیر کا ذرا سا شائبہ بھی کانگریس کو کس قدر برافروختہ کر دے گا۔ وہ اس پلان کو قبول کرنے سے انکار کر دیں گے، اور (سن رکھئے کہ) اس کے بعد آپ کو پاکستان کبھی نہیں مل سکے گا۔

مسٹر جناح نے جواب میں کہا۔ میں اس باب میں کچھ نہیں کر سکتا۔ فیصلہ مسلم لیگ کے آئین کے مطابق ہوگا۔ میں اپنی طرف سے آپ کو کوئی جواب نہیں دے سکتا۔

مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے مسٹر جناح، ایک دفعہ نہ کہنے کے بعد ہاں کہنے کا "آرٹ" بدل چکے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ میں واضح الفاظ میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں نہیں چاہتا کہ میں آپ کے پاکستان کے منصوبے کو تباہ کر دوں۔ ہمیں فیصلہ کن مرحلہ تک پہنچ کر رہنا ہے۔ میں کل صبح تمام لیڈروں کی میٹنگ بلا رہا ہوں۔ میں اس میں سب سے پہلے یہ کہوں گا کہ مجھے سکھوں کی طرف سے ہاں میں جواب موصول ہو چکا ہے۔ اسی طرح کانگرس کی طرف سے بھی۔ میں نے مسٹر جناح سے بھی بات کر لی ہے۔ وہ بھی اس پلان سے مطمئن ہیں۔ ہمیں سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ انہیں بھی منظور ہے۔

یہ کہنے کے بعد میں آپ کی طرف دیکھوں گا۔ (آپ نے زبان سے بے شک کچھ نہ کہنا) صرف ذرا سا

سر جھکا دینا۔

اگر آپ نے اس وقت سر نہ جھکایا تو اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ پاکستان آپ کے ہاتھ سے گیا۔ جس مقصد کے لئے آپ نے اس قدر جدوجہد کی اور جنگ لڑی ہے، اسے آپ ہمیشہ کے لئے ضائع کر دیں گے۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے آپ دھمکی نہ سمجھئے۔ یہ ایک پیش گوئی ہے۔

دوسری صبح میٹنگ میں سب کچھ پروگرام کے مطابق ہو چکنے کے بعد، وہ لمحہ آ گیا جب میں نے مسٹر جناح کی طرف دیکھا کہ وہ سر جھکاتے ہیں یا نہیں ——

اور یہ میری زندگی کا نازک ترین لمحہ تھا۔ میں ساری عمر کبھی اس قدر مضطرب اور پریشان نہ ہوا تھا۔ میں قطعاً نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ سر جھکے گا یا نہیں۔ (سارے ہال میں سناٹا چھا رہا تھا۔) پروگرام میں خوف انگیز توقف تھا۔ عجیب بیم و رجا کا عالم تھا کہ میں نے دیکھا کہ مسٹر جناح نے ذرا سا سر جھکا دیا —— میں نے بے ساختہ کہا۔ شکریہ مسٹر جناح! —— مجھے انتہائی مسرت ہے کہ ہمیں آپ کی طرف سے بھی رضامندی حاصل ہو گئی۔

یوں پاکستان کا اہم مسئلہ طے ہوا —— فقط سر کی ایک جنبش کے ساتھ!

اس کے بعد لارڈ مونٹ بیٹن کی زبانی ایک ایسا واقعہ سنیئے جو آپ کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتا تھا۔ لارڈ مونٹ بیٹن سے سوال کیا گیا کہ جب ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو کراچی میں، تقریبِ آزادی منائی گئی تو اس میں قائدِ اعظمؒ کو قتل کر دینے کی سازش ہو رہی تھی۔ کیا آپ کو اس کے متعلق کچھ یاد ہے۔ لارڈ مونٹ بیٹن نے جواب دیا۔

ہاں! یاد ہے، اور اچھی طرح یاد ہے۔ اس کی طرف سے سب سے پہلے میری توجہ مسٹر جناح اور ان کے وزیرِ اعظم، لیاقت علی خان نے منعطف کرائی اور کہا کہ اس سازش کے سرغنوں کو گرفتار کر لیا جائے —— لیکن ہم ان کا کچھ پتہ نہ پا سکے۔ اس وقت ممکن نہیں تھا کہ ہم ان کا پتہ پا سکتے۔ اس پر قائدِ اعظم نے کہا کہ اگر اس وقت میں نے (لارڈ مونٹ بیٹن نے) کچھ نہ کیا تو ان کی (قائدِ اعظمؒ کی) جان خطرے میں ہو گی۔ اس پر میں نے کہا کہ، بہت اچھا! میں آپ کے ساتھ ہی موٹر میں بیٹھ کر گورنمنٹ ہاؤس واپس جاؤں گا۔

قائدِ اعظم نے کہا کہ اس سے ان کی جان کیسے بچ جائے گی؟

میں نے کہا کہ، میرا خیال ہے کہ جو لوگ آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں، وہ مجھے قتل کرنا نہیں چاہیں گے۔ اگر ہم اکٹھے موٹر میں جائیں گے تو اس کا چانس ہے کہ ہم دونوں کی جان بچ جائے۔ میں جب اس تقریب میں شرکت کے لئے کراچی آیا تھا تو میری سی، آئی، ڈی کے سربراہ نے مجھ سے کہا تھا۔ (یاد رہے کہ میں اس وقت تک وائسرائے تھا) کہ قائدِ اعظم کو قتل کر دینے کا منصوبہ بن رہا ہے۔ یہ لوگ اوّل تو تین یا چار بم پھینکیں گے۔ یا کم از کم ایک بم۔

تقریب کے بعد ہم دونوں ایک کار میں بیٹھ گئے ــــ ایک پرانی، کھلی، رولز کار، جو بالکل تابوت کی سی دکھائی دیتی تھی۔ اور ہمیں یوں محسوس ہو رہا تھا، جیسے وہ ہماری لاشوں کے لئے تابوت کا کام دے گی۔

اس طرح یہ "شاہانہ جلوس" روانہ ہوا ــــ جلوس کا تقاضا تھا کہ کار آہستہ آہستہ چلے۔ سو ہم قدم قدم جا رہے تھے۔ تین میل کا سفر۔ دونوں طرف تماشائیوں کا ہجوم ــــ مکانوں کی کھڑکیوں میں اور چھتوں پر بھی تماشائی موجود۔ سب انتہائی جوش و خروش میں قائد اعظم زندہ باد ــــ حتیٰ کہ مونٹ بیٹن زندہ باد ــــ کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ ہمیں ان کے ان نعروں کا جواب مسکراہٹ کے ساتھ، ہیلو کہہ کر دینا پڑتا تھا، یہ جانتے ہوئے کہ انہی میں وہ بھی ہے جو بم چھپائے کھڑا ہے۔ اس لئے مجھے مسلسل نگاہ اس ہجوم کی طرف رکھنی پڑ رہی تھی۔ (لبوں پر مسکراہٹ جان نکلی ہیں، اور لوگوں کو یہ احساس کہ میں کس مسرت سے ان کی خوش آمدید کا جواب دے رہا ہوں!)

میرے ایک چچا کو بم مار کر قتل کیا گیا تھا ــــ دوسرا چچا بھی بم ہی سے مقتول ہوا تھا۔ میری ایک عم زاد بہن ــــ ہسپانیہ کی ملکہ ــــ جب خود اپنی شادی کے لئے آئی ہے تو اس کا عروسی جوڑہ، اس کے کوچوان کے خون سے لت پت تھا۔ میں خود جب اس سے پہلے، پرنس اوف ویلز کے ہمراہ ہندوستان آیا ہوں، تو مجھے ایک حفاظتی گاڑی میں راستہ طے کرنا پڑا تھا۔ لہٰذا مجھے اس کا اچھی طرح احساس تھا کہ میں کن خطرات میں گھرا ہوا ہوں۔ اور اس کا انجام کیا ہو سکتا ہے۔ اُف! کس قدر روح فرسا تھا یہ احساس۔ اور اس کے باوجود، لب ہنسنے پہ مجبور!

خدا خدا کر کے ہم بحفاظت گورنمنٹ ہاؤس پہنچ گئے، اور میری جان میں جان آئی ــــ مسٹر جناح نے میری ران پہ ہاتھ مارا اور کہا ــــ خدا کا شکر ہے کہ میں آپ کو بحفاظت واپس لے آیا ہوں ــــ یہ ان کی طرف سے بڑی زیادتی تھی۔ میں نے کہا کہ خدا کا شکر تو مجھے ادا کرنا ہے کہ میں آپ کو بحفاظت واپس لے آیا ہوں۔

(یہ بات یہاں آج تک کسی نے نہیں بتائی۔ آزادی کے پہلے ہی دن قائد اعظمؒ کے قتل کی سازش! الامان و الحفیظ!)

اس کے بعد ایک اور راز کی بات سنیئے۔ لارڈ مونٹ بیٹن نے کہا،

جب میں نے اقتدارِ مملکت، ہندوستان اور پاکستان کو منتقل کر دیا، اور باؤنڈری کمیشن نے بھی اپنا فیصلہ سنا دیا، تو میں دانستہ دہلی سے باہر چلا گیا۔ ایک تو اس لئے کہ اگرچہ میں ہندوستان کا گورنر جنرل تھا، لیکن یہ منصب محض آئینی تھا۔ میرے کرنے کا کام کچھ نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ میں ــــ اس ملک کے لوگوں پہ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اب تمہارے ملک کا نظم و نسق خود تمہارے اپنے لوگ

چلا رہے ہیں۔ میں تو محض دستخط کرنے کی مشین ہوں۔

مجھے باہر گئے ابھی دو یا تین دن ہی ہوئے ہوں گے کہ مجھے مسٹر وی۔ پی۔ مینن کا ٹیلی فون موصول ہوا ـــ مسٹر مینن جو میرا پرانا دوست اور ہندوستانی سٹاف میں میرا بہترین رفیق تھا ـــ اس نے کہا کہ مصائب کا ہجوم دہلی کی طرف امنڈ رہا ہے۔ دارالحکومت خطرات میں گھر رہا ہے۔ آپ فوراً واپس آجائیں ـــ میں نے اس سے پوچھا کہ مجھے ایسا کرنے کے لئے کون کہہ رہا ہے؟ جواب ملا کہ خود وزیراعظم اور نائب وزیراعظم ـــ میں نے کہا کہ میں واپس نہیں آؤں گا ـــ مینن نے کہا۔ کیوں؟ ـــ میں نے کہا کہ میں دانستہ دہلی سے چلا آیا ہوں، دنیا پر یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اب ملک پر ان کی اپنی حکومت ہے۔ میں لوگوں کی گردن دبانے کے لئے دہلی نہیں آنا چاہتا۔ میں کچھ دنوں کے بعد آؤں گا۔

مینن نے کہا کہ اس صورت میں آپ واپس تشریف لانے کی زحمت گوارا نہ فرمائیے گا۔ اس لئے کہ اگر آپ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر واپس نہ آئے تو پھر نہ دہلی باقی رہے گی نہ یہ ملک ـــ یہ سب ٹھاٹھ باٹھ ختم ہو جائے گا۔ ہم ہندوستان ہاتھ سے گنوا بیٹھیں گے۔

بالآخر مجھے ہاں کرنی پڑی۔ میں نے کہا ـــ مینن! تم بڑے بدمعاش ہو۔ تمہیں، مجھے اپنے ہم نوا کرنے کا ڈھنگ خوب آتا ہے۔ لو! میں آتا ہوں۔

چنانچہ میں فوراً دہلی واپس آ گیا۔ گورنمنٹ ہاؤس پہنچا، تو وہاں وزیراعظم اور نائب اعظم کو اپنا منتظر پایا۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ معاملہ کس قدر نازک ہو چکا ہے ـــ اور اس کے بعد کہا کہ بابا! اس ملک کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لو۔

میں نے کہا کہ ذرا کھل کر بات کرو کہ تم چاہتے کیا ہو؟

انہوں نے کہا: ہم چاہتے ہیں کہ تم ملک کا اقتدار سنبھالو۔

میں نے کہا یہ کیسے ممکن ہے! تم نے آزادی حاصل کر لی ہے۔ تم نے ابھی ابھی اقتدار سنبھالا ہے۔ تم اسے چلاؤ۔

انہوں نے کہا۔ یہ سب ٹھیک ہے۔ لیکن ہمیں تو صرف اقتدار پھیلانے کا مزہ آتا ہے۔ انتظام کرنے کا نہیں۔ جب ہم جیل میں تھے تو آپ ایک سپریم کمانڈ کے سربراہ کی حیثیت سے ملک کا نظم و نسق چلا رہے تھے اور ہر طرف سے اس کی تعریف ہوتی تھی۔ ہم ملک کا انتظام نہیں چلا سکتے ـــ تم واپس آجاؤ۔

میں نے دیکھا کہ وہ یہ باتیں یونہی نہیں کہہ رہے۔ وہ بڑے سنجیدہ تھے۔ میں نے کہا کہ بہت اچھا۔ میں اس معاملہ میں تمہاری مدد کروں گا، لیکن ایک شرط کے ساتھ۔ اور وہ یہ کہ کچھ اس طرح کیا جائے کہ یہ بات راز میں رہے کہ ملک کا نظم و نسق میں چلا رہا ہوں۔ دنیا کو یہی معلوم ہونا چاہئے کہ حکومت تم ہی کر رہے ہو۔ اور یہ سارا معاملہ پوشیدہ رہے۔ کم از کم تمہاری زندگی تک۔ میں یہ کچھ تمہاری شہرت

برقرار رکھنے کے لئے کہہ رہا ہوں۔

انہوں نے کہا کہ بہت اچھا۔ پھر پروگرام کیا ہوگا؟

میں نے کہا کہ ہم ایک ہنگامی کمیٹی متشکل کر لیتے ہیں۔ اس کے ممبروں کا انتخاب میں کئے دیتا ہوں۔ اس کمیٹی کا پہلا اجلاس آج پانچ بجے ہوگا۔ اجلاس جناح ہاؤس میں اپنے کانفرنس سیکرٹری کو ساتھ رکھوں گا جو انگریزی طریق سے اجلاس کی روئداد قلمبند کرے گا۔ میٹنگ میں وزیراعظم میرے دائیں بیٹھیں اور نائب وزیراعظم بائیں ——— میں ایک تجویز پیش کروں گا، اور آپ لوگوں سے پوچھوں گا کہ آپ کا کیا خیال ہے۔ یوں نہ کر لیا جائے۔ اور آپ ہاں کر دیجئے گا ——— پھر میں پوچھوں گا کہ یوں نہ کر لیں۔ تو آپ کہہ دیجئے گا کہ ٹھیک ہے۔

اس پر سردار ولبھ بھائی پٹیل نے کہا کہ فرض کیجئے کہ وہ تجویز مجھے منظور نہ ہو۔ تو.....

تو پھر آپ جہنم میں جائیے۔ میں کچھ کرنے کے لئے تیار نہیں۔

کیوں؟ انہوں نے کہا۔

اس لئے کہ میرے پاس ضائع کرنے کے لئے وقت نہیں۔ اگر آپ لوگوں نے درمیان میں نہ کر دینی ہے تو میں یہ تماشا شروع ہی نہیں کروں گا۔

بہت اچھا۔ اس نے کہا ——— میں ہر بات پر متفق ہوتا جاؤں گا۔

اس پر میں نے یہ پروگرام شروع کر دیا ——— اور وہ لوگ اپنے عہد کے پابند رہے۔ اور یوں ہندوستان کے نظم و نسق کی گاڑی آگے چلی۔

یہ ہے وہ راز جو اب تک راز چلا آ رہا تھا۔ اور آج منکشف کیا جا رہا ہے۔

غور فرمایا آپ نے کہ تقسیم ہند کے وقت پس پردہ کیا کچھ ہو رہا تھا؟ لارڈ مونٹ بیٹن کے انٹرویو کا وہ حصہ جس میں انہوں نے مہاتما گاندھی، اور قائداعظم کی شخصیتوں کے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے، دوسری جگہ شائع کیا جا رہا ہے۔

اصلی کانپوری لیتھو کی سیاہی

بغرضِ فروخت موجود ہے۔ خواہش مند حضرات بذریعہ خط و کتابت معاملہ طے کر لیں اور اگر چاہیں تو ہمارے دفتر میں تشریف لا کر نمونہ دیکھ لیں۔ دفتر میں کسی روز (بجز اتوار) پانچ اور سات بجے کے درمیان آ سکتے ہیں۔

ناظم ادارۂ طلوع اسلام
۲۵/بی۔ گلبرگ ۲۔ نزد پولیس اسٹیشن گلبرگ۔ لاہور

"مغزِ دین"

(دیوبندی نقطۂ نگاہ)

ہمارے ہاں ("اُمتِ واحدہ" کے) دو بڑے فرقے، اہلِ تشیع اور اہلِ سنت والجماعت ہیں۔ اہلِ سنت والجماعت پھر دو بڑے فرقوں میں "بٹ" گئے ہیں۔ اہلِ حدیث اور اہلِ فقہ — یعنی دونوں اہلِ سنت، سنتِ رسول اللہؐ کے پیرو ہونے کے مدعی بھی ہیں اور "جماعت" سے وابستگی کے دعویدار بھی، اور ہیں دونوں الگ الگ۔ پھر، اہلِ فقہ (جو حنفی کہلاتے ہیں) دو بڑی بڑی شاخوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ یعنی دیوبندی اور بریلوی حضرات۔ ان میں بھی آئے دن سر پھٹول ہوتی رہتی ہے۔ بریلوی حضرات، رسول اللہؐ کے حاضر و موجود، اور عالم "ما کان و ما یکون" (کائنات کے حال اور مستقبل کے غیب و شہود کا علم رکھنے) کے قائل ہیں۔ نیز اولیاءکرام کو صاحبِ کشف و کرامات اور غیب دان مانتے ہیں۔ دیوبندی حضرات ایسے عقائد کو کفر اور شرک سے تعبیر کرتے ہیں اور انہی اختلافات کی بنا پر یہ دونوں فرقے ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے صادر کرتے رہتے ہیں۔

ہمارے سامنے ایک دلچسپ کتاب آئی ہے جس کا نام ہے "زلزلہ"۔ موضوع ہے، علم غیب۔ مصنف ہیں علامہ ارشد القادری، مدیر جامِ نور، جمشید پور (بہار - بھارت)[1]۔ اس میں انہوں نے، اکابر علماءِ دیوبند کی مستند ترین کتابوں کے حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ جن عقائد کی بنا پر یہ حضرات بریلویوں کے خلاف کفر و شرک کے فتوے صادر کرتے رہتے ہیں، انہیں یہ خود مانتے ہیں اور اپنے بزرگوں کو ان خصوصیات کا حامل تسلیم کرتے ہیں۔ ہمیں نہ دیوبندی حضرات سے کوئی تعلق ہے، نہ بریلوی حضرات سے کچھ واسطہ۔ نہ ہی ہم ان کے اختلافی عقائد کی بحث میں الجھنا چاہتے ہیں۔ لیکن اس کتاب میں دیوبندی حضرات کی کتابوں سے جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس قدر دلچسپ اور تعجب انگیز ہے کہ ہم اسے اپنے آپ تک رکھنا، اور قارئینِ طلوعِ اسلام کو اس میں شریک نہ کرنا بخل سمجھتے ہیں۔ اس لئے ان میں سے کچھ مثالیں پیش کرتے ہیں۔ انہیں پڑھتے وقت، اس حقیقت کو پیشِ نظر رکھئے کہ یہ عقائد، اس فرقہ (دیوبند) کے ہیں جنہیں بریلوی حضرات "وہابی" کہتے ہیں۔ اس کے بعد آپ اس بات کا اندازہ لگا لیجئے کہ جب "وہابیوں" کے یہ عقائد ہیں تو جنہیں (بریلوی حضرات کو) دیوبندی "بدعتی" کہتے

---

[1] پاکستان میں اسے مکتبہ فیضِ رضا، لائل پور نے شائع کیا ہے۔

ہیں۔ ان کے عقائد کس قسم کے ہوں گے؟ اور یہ عقائد وہ ہیں جنہیں یہ حضرات "مغزدین" کہہ کر پکارتے ہیں۔ اور جو ان سے انکار کرتے ہیں، ان کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کے پاس صرف "استخوانِ دین" (یعنی ہڈیاں) ہیں۔ اب سنیئے وہ واقعات اور حظ اٹھائیے۔

۱۔ چلتے پھرتے مُردے

مہتمم دارالعلوم دیوبند، قاری طیب صاحب راوی ہیں کہ جس زمانے میں مولوی رفیع الدین صاحب مدرسہ کے مہتمم تھے، دارالعلوم کے صدر مدرسین کے درمیان آپس میں کچھ نزاع چھڑ گئی جس میں مولوی محمود الحسن صاحب بھی شریک ہنگامہ ہو گئے۔

> اسی دوران میں ایک دن علی الصبح بعد نماز فجر مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمود الحسن صاحب کو اپنے حجرہ میں بلایا (جو دارالعلوم دیوبند میں ہے) مولانا حاضر ہوئے اور بند حجرہ کے کواڑ کھول کر اندر داخل ہوئے۔
> مولانا رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے یہ میرا روئی کا لبادہ دیکھ لو۔ مولانا نے لبادہ دیکھا تو تر تھا اور خوب بھیگ رہا تھا۔ فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی ابھی مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جسد عنصری (جسد ظاہری) کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تھے۔ جس سے میں ایک دم پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرا لبادہ تربتر ہو گیا اور یہ فرمایا کہ محمود حسن کو کہہ دو کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے۔ بس میں نے یہ کہنے کے لئے بلایا ہے۔ مولانا محمود حسن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد میں اس قصے میں کچھ نہ بولوں گا۔
> (ارواح ثلاثہ ص ۲۴۲)

۲۔ مولانا محمد قاسم مرحوم مدد کو پہنچ گئے

ایک سیدھا سادا دیوبندی مولوی کسی مسجد کا امام تھا۔ ایک دفعہ ایک بہت بڑے واعظ وہاں آ دھمکے۔ اور مولوی صاحب کو مناظرہ کا چیلنج دے دیا۔ یہ صاحب بہت گھبرا گئے کہ معلوم اب کیا ہو۔

> سننے کی بات یہی ہے۔ جو اس کے بعد اس دیوبندی امام مولوی نے مشاہدہ کے بعد بیان کی، کہتے تھے کہ مولانا واعظ صاحب کے سامنے میں بھی بیٹھ گیا۔ ابھی گفتگو شروع نہیں ہوئی تھی کہ اچانک اپنے بازو میں مجھے محسوس ہوا کہ ایک شخص اور

ؒ من ز قرآں مغز را برداشتیم — استخواں پیشِ سگاں انداختیم (مولانا روم)

جسے میں نہیں پہچانتا تھا وہ بھی آ کر بیٹھ گیا، اور مجھ سے وہ اجنبی اچانک نمودار ہونے والی شخصیت کہتی ہے۔ گفتگو شروع کرو اور ہرگز نہ ڈرو۔ دل میں غیرمعمولی قوت اس سے پیدا ہوئی۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ دیوبندی امام صاحب کا بیان ہے کہ میری زبان سے کچھ فقرے نکل رہے تھے اور اس طور پر نکل رہے تھے کہ میں خود نہیں جانتا تھا کہ کیا کہہ رہا ہوں۔ جس کا جواب مولانا واعظ صاحب نے ابتداء میں تو دیا۔ لیکن سوال و جواب کا سلسلہ ابھی زیادہ دراز بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک دفعہ مولانا واعظ صاحب کو دیکھتا ہوں کہ اٹھ کھڑے ہوئے، میرے قدموں پر سر ڈالے ہوئے رو رہے ہیں۔ پگڑی بکھری ہوئی ہے اور کہتے جاتے ہیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آپ اتنے بڑے عالم ہیں۔ ﷲ معاف کیجئے! آپ جو کچھ فرما رہے ہیں۔ یہی صحیح، اور درست ہے، میں ہی غلطی پر تھا۔

یہ منظر ہی ایسا تھا کہ مجمع دم بخود تھا۔ کیا سوچ کر آیا تھا اور کیا دیکھ رہا تھا۔ دیوبندی امام صاحب نے کہا کہ اچانک نمودار ہونے والی شخصیت میری نظر سے اس کے بعد اوجھل، اور کچھ نہیں معلوم کہ وہ کون تھے اور یہ قصہ کیا تھا۔ (سوانح قاسمی ج ۱ ص ۳۳۰-۳۳۱)

اس کے بعد ہے:-

حضرت شیخ الہند (یعنی مولانا مولوی محمود الحسن صاحب) فرماتے تھے کہ میں نے ان مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ اچانک نمودار ہونے والی شخصیت کا حلیہ کیا تھا۔ حلیہ جو بیان کیا، فرماتے تھے کہ سنتا جاتا تھا اور حضرت الاستاذ (یعنی مولوی قاسم نانوتوی) کا ایک خال و خط نظر کے سامنے آتا چلا جا رہا تھا — جب وہ بیان کر چکے تو میں نے ان سے کہا کہ یہ تو حضرت الاستاذ رحمۃ ﷲ علیہ تھے۔ جو تمہاری امداد کے لئے حق تعالےٰ کی طرف سے ظاہر ہوئے۔

(سوانح قاسمی ج ۱ ص ۳۳۲)

۴- علمِ غیب

مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی (بانیٔ دارالعلوم، دیوبند) بیان کرتے ہیں کہ:-

شاہ عبدالرحیم صاحب ولایتی کے ایک مرید تھے جن کا نام عبدﷲ خاں تھا اور قوم کے راجپوت تھے، اور یہ حضرت کے خاص مریدوں میں تھے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ اگر کسی کے گھر میں حمل ہوتا اور تعویذ لینے آتا تو آپ فرما دیا کرتے تھے کہ تیرے گھر

میں لڑکی ہوگی یا لڑکا، اور جو آپ بتلا دیتے تھے وہی ہوتا تھا۔ (ارواح ثلثہ ص۱۶۳)

۴۔ اور مذاق کیجئے!

مناظرہ میں شکست خوردہ گروہ نے اپنی خفت مٹانے کے لئے، ایک سوانگ رچایا۔ ایک تابوت میں ایک زندہ انسان کو چادر اوڑھا کر لٹا دیا اور (فاتح مناظرہ مولانا) محمد قاسم صاحب (بانی دیوبند) سے کہا کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھا دیں۔ پروگرام یہ تھا کہ جب یہ حضرت دو تکبیریں کہیں تو "مردہ" ایک دم اُٹھ بیٹھے اور اس طرح مولانا صاحب کی ہنسی اڑائی جائے۔ اس کے بعد کیا ہوا، اُسے غور سے سنیئے، آپ

> نمازِ جنازہ کے لئے کھڑے ہوئے تو فرطِ غضب سے آنکھیں سرخ تھیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ موصوف کو اپنی غیبی قوت ادراک کے ذریعے پہلے ہی یہ معلوم ہو گیا تھا کہ تابوت کے اندر جنازہ مردہ نہیں بلکہ زندہ ہے اور صرف از راہِ تمسخر انہیں نمازِ جنازہ پڑھانے کے لئے کہا گیا ہے۔
>
> لیکن کہانی کا نقطۂ عروج یہ ہے کہ انہوں نے تکبیراتِ اربعہ پوری کرنے کے بعد اسی غصہ کے لہجے میں فرمایا کہ اب یہ قیامت کی صبح سے پہلے نہیں اُٹھ سکتا۔ اس فقرے کا مدعا اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ موصوف کی قوتِ تصرف سے اچانک اس کی موت واقع ہو گئی اور معاً اس کا علم بھی انہیں ہو گیا۔

۵۔ بیک وقت متعدد مقامات پر موجود

خواجہ عزیز الحسن صاحب نے اپنے پیر و مرشد، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی سوانح حیات لکھی ہے۔ وہ اس میں تحریر فرماتے ہیں۔

> عرصہ دراز ہوا کہ ایک صاحب نے خود احقر سے یہیں خانقاہ میں بایں عنوان اپنا واقعہ بیان کیا کہ گو دیکھنے میں تو حضرت والا یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، لیکن کیا خبر اس وقت کہاں پر ہوں۔ کیونکہ میں ایک بار خود حضرت والا کو باوجود کہ تھانہ بھون میں ہونے کے علی گڑھ دیکھ چکا ہوں۔ جبکہ وہاں نمائش تھی اور اس کے اندر سخت آگ لگی ہوئی تھی۔
>
> میں بھی اس نمائش میں اپنی دکان لے گیا تھا۔ جس روز آگ لگنے والی تھی، اس روز خلافِ معمول عصر ہی کے وقت سے میرے قلب کے اندر ایک وحشت سی پیدا ہونے لگی تھی۔ جس کا یہ اثر ہوا کہ باوجود اس کے اصل بکری کا وقت وہی تھا۔ لیکن میں نے اپنی دکان کا سارا ساز و سامان قبل از وقت ہی سمیٹ کر

بکسوں میں بھرنا شروع کر دیا۔ جب بعد مغرب آگ لگنے کا غل شور ہوا، تو چونکہ میں اکیلا ہی تھا اور بکس بھی بھاری تھے اس لئے میں سخت پریشان ہوا کہ یا اللہ دکان سے باہر کیونکر لے جاؤں۔

اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ دفعتہً حضرت والا نمودار ہوئے اور بکسوں میں سے ایک ایک بکس کے پاس تشریف لے جا کر فرمایا کہ جلدی سے اٹھاؤ! چنانچہ ایک طرف سے تو بکس کو خود اٹھایا، اور دوسری طرف سے میں نے اٹھایا۔ اسی طرح تھوڑی دیر میں ایک ایک کر کے سارے بکس باہر نکلوا دیئے۔ اس آگ سے دکانداروں کا تو بہت نقصان ہوا، لیکن بفضلہ تعالےٰ میرا سب سامان بچ گیا۔

اس واقعہ کو سن کر احقر (یعنی مصنف کتاب) نے ان سے پوچھا کہ آپ نے حضرت والا سے یہ نہ دریافت کیا کہ آپ یہاں کہاں؟ اس پر انھوں نے کہا کہ اجی پوچھنے گچھنے کا مجھ کو اس وقت ہوش ہی کہاں تھا، میں تو اپنی پریشانی میں مبتلا تھا۔ (اشرف السوانح ج ۳۔ ص ۱۷)

۶۔ مرنے کے بعد مٹھائی لے کر تشریف لے آئے

انہی مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے یہی سوانح نگار، تھانوی صاحب کے پردادا، محمد فرید صاحب کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ڈاکوؤں کا مقابلہ کرتے شہید ہو گئے۔ اور پھر:۔

شہادت کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا۔ شب کے وقت اپنے گھر مثل زندہ کے تشریف لائے اور اپنے گھر والوں کو مٹھائی لا کر دی اور فرمایا۔ اگر تم کسی سے ظاہر نہ کرو گی تو اس طرح سے روز آیا کریں گے۔ لیکن ان کے گھر کے لوگوں کو یہ اندیشہ ہوا کہ گھر والے جب بچوں کو مٹھائی کھاتے دیکھیں گے تو معلوم نہیں کہ کیا شبہ کریں گے اس لئے ظاہر کر دیا اور آپ تشریف نہیں لائے۔

یہ واقعہ خاندان میں مشہور ہے۔ (اشرف السوانح۔ ج ۱ ص ۱۲)

۷۔ پھر زندہ۔

خود مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی زبانی ایک واقعہ سنیئے۔ فرماتے ہیں:۔

مولانا اسمٰعیل دہلوی کے قافلے میں ایک شخص شہید ہو گئے۔ جن کا نام بیدار بخت تھا۔ یہ مجاہد دیوبند کے رہنے والے تھے، ان کی شہادت کی خبر آ چکی ہے۔ ان کے والد حشمت علی خاں صاحب حسب معمول دیوبند میں اپنے گھر میں ایک رات تہجد کی نماز کے لئے اٹھے تو گھر کے باہر گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز آئی۔ انہوں نے

دروازہ کھولا، تو یہ دیکھ کر حیران ہوئے کہ اُن کے بیٹے بیدار بخت ہیں۔ بہت حیرانگی بڑھی کہ یہ تو بالاکوٹ میں شہید ہو گئے تھے، یہاں کیسے آ گئے؟

بیدار بخت نے کہا۔ جلدی کوئی دری وغیرہ بچھایئے۔ حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب اور سید (احمد) صاحب یہاں تشریف لا رہے ہیں۔ حشمت خاں نے فوراً ایک بڑی چٹائی بچھا دی۔ اتنے میں سید صاحب اور مولانا شہید اور چند دوسرے رفقاء بھی آ گئے۔ حشمت خاں صاحب نے محبتِ پدری کی وجہ سے سوال کیا کہ تمہارے کہاں تلوار لگی تھی؟

بیدار بخت نے سر سے اپنا ڈھاٹا کھولا اور اپنا نصف چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر اپنے باپ کو دکھایا کہ یہاں تلوار لگی تھی۔ حشمت خاں نے کہا یہ ڈھاٹا پھر سے باندھ لو، مجھ سے یہ نظارہ دیکھا نہیں جاتا۔ تھوڑی دیر بعد یہ تمام حضرات واپس تشریف لے گئے۔

صبح حشمت خاں کو شبہ ہوا کہ یہ کہیں خواب تو نہیں تھا۔ مگر چٹائی کو جو غور سے دیکھا تو خون کے قطرے موجود تھے۔ یہ وہ قطرے تھے جو بیدار بخت کے چہرے سے گرتے ہوئے اس کے والد نے دیکھے تھے۔ ان قطروں کو دیکھ کر حشمت خاں سمجھ گئے کہ یہ بیداری کا واقعہ ہے، خواب نہیں۔

اخیر میں چند راویوں کے نام گنا فرمائے ہیں کہ اس حکایت کے اور بھی بہت سے راوی ہیں۔ (ملفوظات مولانا اشرف علی تھانوی صفحہ ۴۰۹ مطبوعہ پاکستان، بحوالہ ہفت روزہ چٹان ۲۴ دسمبر ۱۹۶۲ء)

۸۔ مولانا حسین احمد صاحب کی کرامات۔

مولانا جمیل الرحمٰن صاحب، مفتی دارالعلوم، دیوبند، لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ سہسپور (ضلع بجنور) میں کانگریس کے زیر اہتمام ایک جلسہ منعقد ہونا تھا جس سے مولانا حسین احمد صاحب نے خطاب کرنا تھا۔ عین جلسہ سے کچھ وقت پہلے اچانک آسمان ابر آلود ہو گیا۔ جسے دیکھ کر منتظمین جلسہ سخت سراسیمہ ہو گئے۔ اس کے بعد کیا ہوا، سنیئے:

> اس دوران میں جامع الروایات غفرلہ (یعنی واقعہ نگار) کو جلسہ گاہ میں ایک برہمن مجذوبانہ ہیئت کے نیز متعارف شخص نے علیحدہ لے جا کر ان الفاظ میں ہدایت کی کہ مولوی حسین احمد سے کہہ دو کہ اس علاقے کا صاحب خدمت یہی ہوں۔ اگر وہ بارش ہٹوانا چاہتے ہیں تو یہ کام میرے توسط سے ہوگا۔
>
> راقم الحروف اسی وقت خیمے میں پہنچا۔ جس پر حضرت والا نے آہٹ پا کر

وجہ معلوم فرمائی اور اس پیغام کو سُن کر ایک عجیب پُرجلال انداز میں بسترِ استراحت ہی پر سے ارشاد فرمایا۔ جائیے کہہ دیجئے بارش نہیں ہوگی۔

(شیخ الاسلام نمبر ص ۱۴۷)

۹۔ جاؤ — وہ رہا ہوگیا۔

مولانا حسین احمد صاحب کے فرزندِ رشید، مولانا اسعد میاں، اپنے والد ماجد کے متعلق سابرمتی جیل کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ وہاں ایک قیدی کو پھانسی کی سزا ہوگئی۔ اس نے ایک دوسرے قیدی منشی محمد حسین کی معرفت، حضرت (مولانا حسین احمد صاحب) سے دعا کی درخواست کی۔

منشی محمد حسین حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سر ہوئے۔ فرمایا، اچھا جاکر اُس سے کہہ دو کہ وہ رہا ہوگیا۔ منشی محمد حسین صاحب نے اس قیدی سے جاکر کہہ دیا کہ بابوجی نے کہہ دیا کہ تو رہا ہوگیا۔ دو ایک روز گزرنے کے بعد اس قیدی نے پھر بے چینی کا اظہار کیا کہ اب تک کوئی حکم نہیں آیا اور میری پھانسی میں چند ہی روز رہ گئے ہیں۔ منشی محمد حسین نے پھر آکر عرض کیا تو فرمایا کہ میں نے کہہ دیا کہ وہ رہا ہوگیا۔ اس کے بعد ایک یوم پھانسی کو رہ گئے تھے کہ اس کی رہائی کا حکم آگیا۔

(شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۱۲۳)

۱۰۔ غیب کا علم اور تصرفِ احکام۔

مولانا حسین احمد صاحب کے متعلق مراد آباد جیل کا واقعہ ملاحظہ فرمایئے۔

ایک دن حضرت کے نام پانوں کا پارسل آیا۔ جس کا علم صرف بنرجی صاحب (جیلر) کو ہی تھا اور کسی شخص کو نہ تھا۔ موصوف نے وہ پارسل بہ نظرِ احتیاط روک لیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد حسبِ معمول بارکوں کے معائنہ کے لئے گئے۔ حضرت مدنی کے ساتھ اس وقت حافظ محمد ابراہیم صاحب اور دیگر حضرات تھے جیسے ہی جناب بنرجی صاحب حضرت کے سامنے آئے۔ حضرت نے فرمایا۔ کیوں صاحب آپ نے میرا پانوں کا پارسل روک لیا ہے۔ خیر کچھ حرج نہیں ہے — آج اس میں سے صرف چھ پان دے دیجئے، پرسوں تک دوسرا پارسل آجائے گا۔

جناب بنرجی کو بڑا تعجب ہوا کہ اس واقعہ کا علم حضرت صاحب کو کیسے طرح ہوا و موصوف نے پیچھے سے پان لاکر حاضر کر دیئے۔ حضرت نے اس میں سے صرف چھ عدد پان لے لئے اور بقیہ واپس فرما دیئے اور فرمایا کہ پان پرسوں تک آجائے گا، اس کو نہ روکئے گا۔

تیسرے دن حسبِ ارشاد پانوں کا پارسل آ گیا۔ اب موصوف کو خیال ہوا کہ یہ کوئی شخص نہیں بلکہ کوئی پہنچے ہوئے فقیر معلوم ہوتے ہیں۔
(روزنامہ نئی دنیا دہلی کا عظیم مدنی نمبر ص ۲۰۸)

اس واقعہ کی اگلی کڑی یہ ہے۔

انہی دنوں جیل میں مولانا کے نام کہیں سے کوئی خط آیا تھا۔ جس پر محکمہ سنسر کی مہر لگی ہوئی تھی، جیلر نے وہ خط مولانا کو دے دیئے۔ انسپکٹر جنرل کی طرف سے باز پرس ہوئی اور اسی جرم میں جیلر کو معطل کر دیا گیا۔

اس واقعہ کے فوراً بعد صاحبِ موصوف مولانا کی خدمت میں پہنچے — دیکھتے ہی مسکرا کر مولانا نے فرمایا۔ پان جو دیئے تھے، اس سے معطل ہوئے۔ پان نہ دیتے تو کیا ہوتا۔ ان کو سخت حیرت تھی کہ یہ واقعہ ابھی ابھی دفتر میں ہوا ہے، کسی کو خبر تک نہیں، انہیں کیونکر علم ہوا۔ انہوں نے اپنی پریشانی کا اظہار کیا تو فرمایا۔ انشاء اللہ کل تک بحالی کا حکم آ جائے گا۔ تم مطمئن رہو۔ ان کی حیرت کی انتہا نہ تھی۔ دوسرے دن ڈاک میں جو پہلی چیز ہاتھ میں آئی وہ معطلی کے حکم میں منسوخی اور بحالی تھی۔ اس واقعہ سے تبرجی صاحب اور دیگر عہدیدارانِ جیل حضرت کے معتقد ہو گئے۔ (نئی دنیا دہلی عظیم مدنی نمبر ص ۲۰۳)

۱۱۔ ایک مرید کی امداد

اکابرینِ دیوبند کے مرشدِ معظم، شاہ امداد اللہ صاحب کے متعلق ایک واقعہ سنئے۔ ان کے ایک مرید کسی بحری جہاز سے سفر کر رہے تھے کہ ایک تلاطم خیز طوفان سے جہاز ٹکرا گیا۔ قریب تھا کہ موجوں کے ہولناک تصادم سے جہاز کے تختے پاش پاش ہو جائیں۔ اس کے بعد کیا ہوا، اسے "کراماتِ امدادیہ" کے مرتب کی زبانی سنیئے۔ لکھتے ہیں،

انہوں نے جب دیکھا کہ اب مرنے کے سوا چارہ نہیں ہے۔ اسی مایوسانہ حالت میں گھبرا کر اپنے پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا۔ اس وقت سے زیادہ اور کونسا وقت امداد کا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر اور کارساز مطلق ہے۔ اسی وقت آگبوٹ غرق سے نکل گیا اور تمام لوگوں کو نجات ملی۔

اِدھر تو یہ قصہ پیش آیا۔ اُدھر اگلے روز مخدوم جہاں اپنے خادم سے بولے خدا میری کمر دباؤ نہایت درد کرتی ہے۔ خادم نے دباتے دباتے پیرہن مبارک جو اٹھایا تو دیکھا کہ کمر چھلی ہوئی ہے اور اکثر جگہ سے کھال اتر گئی ہے۔ پوچھا، حضرت یہ کیا بات ہے۔ کمر کیونکر چھلی؟ فرمایا۔ کچھ نہیں۔ پھر پوچھا۔ آپ خاموش

رہے۔ تیسری مرتبہ پھر دریافت کیا۔ حضرت یہ تو کہیں رکے گی ہے اور آپ تو کہیں تشریف بھی نہیں لے گئے۔ فرمایا، ایک آگبوٹ ڈوبا جاتا تھا۔ اس میں ایک تمہارا دینی اور سلسلہ کا بھائی تھا۔ اس کی گریہ زاری نے مجھے بے چین کر دیا اور آگبوٹ کو کمر کا سہارا دے کر اوپر کو اٹھایا۔ جب آگے چلا اور بندگانِ خدا کو نجات ملی۔ اسی سے چھل گئی ہوگی اور اسی وجہ سے درد ہے۔ مگر اس کا ذکر نہ کرنا۔ (کراماتِ امدادیہ)

۱۲- شکمِ مادر سے غیبی ادراک

حافظ رحیم بخش صاحب نے "حیاتِ ولی" کے نام سے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے سوانح حیات قلم بند کئے ہیں۔ وہ شاہ صاحب کی ولادت سے قبل کا ایک واقعہ لکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

ابھی مولانا شاہ ولی اللہ صاحبؒ والدہ صاحبہ کے بطنِ مبارک ہی میں تشریف رکھتے تھے کہ ایک دن (ان کے بزرگوار) جناب شیخ عبدالرحیم صاحب کی موجودگی میں ایک سائلہ آئی۔ آپ نے روٹی کے دو حصے کر کے ایک اسے دیا، اور ایک رکھ لیا۔

لیکن جونہی سائلہ دروازہ تک پہنچی، شیخ صاحب نے دوبارہ بلایا اور بقیہ حصہ بھی عنایت کر دیا۔ اور جب وہ چلنے لگی، پھر آواز دی اور جس قدر روٹی گھر میں موجود تھی سب دے دی۔ اس کے بعد گھر والوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ پیٹ والا بچہ بار بار کہہ رہا ہے کہ جتنی روٹی گھر میں ہے، سب اس محتاج کو راہِ خدا دے دو۔ (حیاتِ ولی ص ۳۹۷)

۱۳- ایک غیب داں جنّ۔

مولانا عبدالغفار صاحب سرحدی، کے متعلق لکھا ہے کہ بہت سے جنّات بھی ان سے تعلیم حاصل کرتے تھے۔ ان کے سوانح نگار نے:

چنانچہ ایک جنّی طالب علم کا قصہ بیان کرتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ اس کے ساتھیوں میں سے ایک لڑکے کو اس کے متعلق کسی طرح معلوم ہو گیا کہ وہ جنّ ہے۔ دوستانہ تعلقات تو پہلے ہی سے تھے۔ یہ معلوم ہونے کے بعد اب وہ اس کے پیچھے پڑ گیا اور کہنے لگا کہ میں ایک غریب آدمی ہوں، تم میری مالی امداد کر کے دیرینہ دوستی کا حق ادا کرو۔ یہ کام تمہارے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔ اس نے معذرت چاہتے ہوئے جواب دیا کہ ایسا صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ تمہارے لئے چوری کروں اور مولوی ہو کر میں بھی یہ کام نہیں کروں گا۔

لکھا ہے کہ اس جن کا وہ آخری سال تھا۔ بخاری شریف ختم کر کے جب وہ گھر جانے لگا تو اس کے ساتھی نے اس سے تنہائی میں ملاقات کی اور آبدیدہ ہو کر کہا اب تو تم جا ہی رہے ہو۔ لیکن دمِ رخصت کم از کم اتنا تو بتا دو کہ تم سے اب ملاقات کی صورت کیا ہو گی؟ جواب دیا، میں تمہیں چند مخصوص کلمات بتا دیتا ہوں۔ جب بھی ملاقات کو جی چاہے پڑھ لیا کرنا، میں حاضر ہو جایا کروں گا۔ چنانچہ اس کے چلے جانے کے بعد جب بھی ملاقات کی خواہش ہوتی وہ مذکورہ کلمات پڑھ لیا کرتے اور وہ حاضر ہو جایا کرتا۔

اب اس کے بعد کا واقعہ مصنف کی زبانی سنیئے۔ لکھا ہے کہ:

ایک مرتبہ وہ بہت مالی پریشانی میں مبتلا ہو گئے۔ لڑکی کی شادی کرنی تھی اور پیسے پاس نہ تھے۔ اس موقعہ پر وہ جن دوست یاد آ گئے۔ اُن چند کلمات کا ورد کرنا تھا کہ جن صاحب تشریف لے آئے۔ انہوں نے اپنی پریشانی کا ذکر ان سے کیا۔

انہوں نے کہا۔ اچھا میں آپ کے لئے چوری تو کروں گا نہیں۔ یہ حرام طریقہ میں اختیار نہیں کر سکتا ہوں۔ مگر جائز ذرائع سے کچھ رقم آپ کے لئے مہیا کر کے آپ کی ضرور مدد کروں گا۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ دوسرے دن وہ جن صاحب آ کر ان پریشان حال دوست کو معقول رقم دے گئے۔ مگر تاکید کر گئے کہ اس کا ذکر کسی سے نہ کریں۔ (درسِ حیات، ج ۱، ص ۶۲)

۱۴- ایک عمل کی برکت

درسِ حیات کے مصنف اپنے والد (مولوی خیر الدین صاحب) کے متعلق لکھتے ہیں:

ابتداء میں (والد کی) کوئی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی۔ کئی اولاد ہوئی، مگر اللہ کو پیاری ہو گئی۔ خوش قسمتی سے ایک گھر سے ملاقاتی عالم پنجابی جو بہت بڑے عامل بھی تھے، گیا تشریف لائے۔ مولانا نے اولاد زندہ نہ رہنے کا حال اُن سے کہا۔ انہوں نے کہا، ایک عمل ہے۔ اس کو کیجئے انشاء اللہ اولادِ نرینہ ہو گی۔ اور زندہ رہے گی۔ جب حمل کو چوتھا مہینہ ہو تو حاملہ کے پیٹ پر اپنی انگلی سے بغیر روشنائی کے محمدؐ لکھ دیجئے اور پکار کر کہیئے۔ میں نے تیرا نام محمدؐ رکھا اور جب بچہ پیدا ہو تو اس کا نام محمدؐ رکھئے۔ چنانچہ اس عمل کے بعد سب سے پہلی اولاد جو پیدا ہو کر زندہ رہی وہ میں (قاضی فخر الدین مصنف کتاب) ہوں۔

(درسِ حیات ص ۱۹۶)

یہ کتاب (زلزلہ) اسی قسم کے ہوش ربا واقعات سے بھری پڑی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ، ہندوستان ہی میں نہیں، دنیا بھر میں، ایک منفرد درسگاہ ہے۔ جس میں صحیح اسلام کی تعلیم دی جاتی ہے۔ چنانچہ اس دارالعلوم کے فارغ التحصیل علماء، سارے ہندوستان (اور اب پاکستان) میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس دارالعلوم میں جس قسم کے اصلی اور سچے اسلام کی تعلیم دی جاتی ہے، اس کا اندازہ آپ ان چند واقعات سے لگا لیجئے جن کا تعلق کسی دیہاتی مسجد کے "بکی روٹی" پڑھے ہوئے مُلّا سے نہیں ——— دیوبند کے اکابر علماء و مشائخ حضرات سے ہے۔ جنہیں ان کی سوانح عمریوں میں بڑے فخر سے بیان کیا گیا ہے ——— اور یہ ہے وہ اسلام جس کی تعلیم و تلقین ہمارے ہاں کی معتبر ترین مساجد اور مقابر سے مسلسل اشاعت پذیر ہوتی رہتی، اور ملک کے سینکڑوں مکتبوں اور دارالعلوموں میں دی جاتی ہے۔ اور یہی ہے وہ اسلام جسے دنیا کے سامنے نہایت فخر سے پیش کیا جاتا ہے۔

اور (جیسا کہ ہم نے شروع میں کہا ہے) یہ ابھی "وہابیوں" کا اسلام ہے۔ "بدعتیوں" (بریلوی حضرات) کا اسلام کس انداز کا ہوگا، اس کا اندازہ اسی سے لگا لیجئے ——— اور یہی دونوں فرقے اُمت کے سوادِ اعظم کے نمائندے ہیں۔

اور اس کے بعد آپ تحقیقاتی کمیٹیں بٹھاتے رہتے ہیں، یہ معلوم کرنے کے لئے کہ مسلمانوں کی یہ حالت کیوں ہے؟

اور اس کے بعد "مُلّا" کے خلاف کچھ کہئے تو گالیوں کی بوچھاڑ شروع ہو جاتی ہے۔

معراجِ انسانیت

سیرتِ صاحبِ قرآن (علیہ التحیۃ والسلام) خود قرآن کے آئینہ میں۔ مفکرِ قرآن کا بلند پایہ شاہکار، عقل و عشق، فکر و نظر، دل اور دماغ کا حسین امتزاج۔ اس سیرتِ طیبہ کے مطالعہ سے مقامِ محمدی اور انقلابِ محمدی نکھر کر سامنے آجاتے ہیں۔

حسنِ معنوی کے ساتھ صوری پاکیزگی بھی دیدہ زیب، بڑی تقطیع، اعلیٰ درجہ کا سفید کاغذ، ضخامت پانچ صد صفحات، کتابت طباعت نورانی ——— جلد مضبوط اور دلکش۔   قیمت:- تیس ۳۰/- روپے (علاوہ محصولڈاک)

ادارۂ طلوعِ اسلام ۲۵/بی گلبرگ ۲ لاہور۔ مکتبۂ دین و دانش چوک اردو بازار لاہور

ادارہ طلوعِ اسلام کی مطبوعات کی قیمتیں

نوٹ:- اِن قیمتوں میں پیکنگ اور ڈاک کا خرچ شامل نہیں۔

نام کتاب	قیمت
مفہوم القرآن (پارہ اوّل)	-/۴ روپے
" " (پارہ ۲ تا پارہ ۲۷)	۲/۵۰ روپے فی پارہ
" " (پارہ ۲۸، ۲۹ یکجا)	-/۷ "
" " (پارہ ۳۰)	-/۵ "
مفہوم القرآن (جلد اوّل)	-/۳۵ "
" " (جلد دوم)	-/۳۵ "
" " (جلد سوم)	-/۴۰ "
" " (مکمل سیٹ)	-/۱۱۰ "
لغات القرآن (جلد اوّل)	-/۲۰ "
" " (جلد دوم)	-/۲۰ "
" " (جلد سوم)	-/۲۰ "
" " (جلد چہارم)	-/۲۰ "
" " (مکمل سیٹ)	-/۸۰ "
اسلام کیا ہے؟ (اعلیٰ)	-/۱۵ "
" " " (سستا ایڈیشن)	-/۸ "
انسان نے کیا سوچا؟	-/۲۰ "
من و یزداں	-/۲۵ "
ابلیس و آدم	-/۲۵ "
شعلۂ مستور	-/۲۵ "
اقبال اور قرآن	-/۲۵ "

نام کتاب	قیمت
برقِ طور	-/۲۵ روپے
جہانِ فردا (نقشِ ثانی)	-/۲۵ "
کتاب التقدیر (نقشِ ثانی)	-/۳۰ "
شاہکارِ رسالت ۲	-/۴۵ "
قائداعظمؒ کے تصور کا پاکستان	-/۱۵ "
معراجِ انسانیت	-/۲ "
سلسبیل	-/۱۰ "
فردوسِ گم گشتہ	-/۱۰ "
اسلامی معاشرت	-/۴ "
اسبابِ زوالِ اُمت	-/۲ "
جہاد	۲/۵۰ "
قرآنی قوانین و اقتدار	-/۴ "
قرآنی فیصلے جلد اوّل	-/۵ "
قرآنی فیصلے جلد دوم	-/۵ "
قرآنی فیصلے جلد سوم	-/۵ "
قرآنی فیصلے مکمل سیٹ	-/۱۵ "
طاہرہ کے نام	-/۶

نام کتاب	قیمت
سلیم کے نام (جلد اول) مجلد	۱۲/- روپے
" " " (جلد دوم) "	۱۲/- "
" " " (جلد سوم) "	۱۲/- "
" " " (مکمل سیٹ) "	۳۶/- "
عربی خود سیکھئے (چوتھا ایڈیشن)	۷/- "
پاکستان کا معمارِ اول	۳/۵۰ "
فجر الاسلام (اردو ترجمہ) (علامہ احمد امین مصری) (جلد اول)	۵/- "
فجر الاسلام (اردو ترجمہ) علامہ احمد امین مصری (جلد دوم)	۵/- "
اسلام پر کیا گذری؟ (از علامہ احمد امین مصری)	۸/- "
منزل بہ منزل	۸/- "
ISLAM A CHALLENGE TO RELIGION (مجلد)	۳۵- "
" " (پیپر بیک)	۲۰/- "
QURAN AND PHENOMENA OF NATURE از ڈاکٹر سید عبدالودود	۳۲/- "

نام کتاب	قیمت
قتل مرتد	۲/- روپے
عالمگیر افسانے	۱/- روپیہ
ختم نبوت اور تحریک "احمدیت" (نقش ثانی)	۱۵/- روپے
پرنسپلز آف لاء میکنگ ان اسلام (انگریزی)	۳/- "
جمع القرآن (علامہ تمنا عمادی مرحوم)	۳/- "
تاریخ الامت (جلد اول)	۳/- "
" " (جلد دوم)	۳/- "
" " (جلد سوم)	۳/- "
" " (جلد چہارم)	۳/- "
" " (جلد پنجم)	۴/- "
" " (جلد ششم)	۴/- "
" " (جلد ہفتم)	۴/- "
" " (جلد ہشتم)	۴/- "
از علامہ اسلم جیراجپوری (مرحوم) (مکمل سیٹ)	۲۵/- "
مفہوم القرآن (مکمل تیسوں پارے ۱ تا ۳۰)	۱۰۰/- "
مطالب الفرقان (جلد اول) (یعنی تفسیر قرآن خود قرآن سے)	۴۰/- "

(۱) ادارۂ طلوعِ اسلام - ۲۵/ بی - گلبرگ - لاہور

(۲) مکتبہ دین و دانش - چوک اردو بازار لاہور

شاھد عادل (میانوالی)

رسالۃ المسجد کانفرنس مکہ مکرمہ

گزشتہ رمضان المبارک میں مکہ مکرمہ میں ایک عظیم بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں اسلامی معاشرے میں مسجد کو اس کا اصل مقام دلوانے پر غور و فکر کیا گیا۔ اس کانفرنس کے مباحث کو اگر سامنے رکھا جائے تو بلاشبہ یہ اس صدی کی اہم ترین اسلامی کانفرنس قرار پاتی ہے، لیکن افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے اخبارات و رسائل میں اوّل تو اس کا ذکر تک نہیں آیا، اور اگر کسی نے بھولے سے اس کا ذکر کر بھی دیا ہے تو ایسے جیسے اس کی کوئی اہمیت ہی نہ تھی۔

یہ کانفرنس مکہ مکرمہ کے مشہور بین الاقوامی اسلامی ادارہ "رابطہ العالم الاسلامی" کی جانب سے بلائی گئی تھی، اور اس میں نہ صرف یہ کہ تمام اسلامی ممالک کے سرکاری و غیر سرکاری وفود شامل ہوئے بلکہ دیگر ممالک کی اسلامی شخصیتوں کو بھی اس میں شمولیت کی دعوت دی گئی۔ ہمارے ملک سے بھی اس میں دونوں قسم کے اپنی سرکاری و غیر سرکاری وفود شامل ہوئے۔ لیکن چونکہ ان کے سامنے کانفرنس بلانے کے ابتدائی مراحل اور وجوہات تک بھی نہیں تھے اس لئے انہوں نے مساجد کے کردار کے سلسلے میں اپنے پہلوؤں کو موضوعِ بحث بنایا، جن کا کانفرنس سے کوئی خاص تعلق نہیں تھا، بلکہ عرب ممالک مدتوں پہلے ان مسائل کو حل کر چکے تھے۔ دوسری بات یہ کہ شاید ہمارے یہ وفود عربی زبان پر خاص قدرت نہیں رکھتے تھے، اس لئے واپسی پر انہوں نے کانفرنس کے اصل مباحث کے بارے میں کوئی اشارہ تک نہیں کیا۔ راقم چونکہ اس کانفرنس کے ابتدائی مراحل سے اس کی تیاریوں پر نظر رکھے ہوئے تھا، اس لئے مناسب سمجھتا ہوں کہ قارئین کے سامنے اس کے اہم مباحث کا خلاصہ پیش کر دیا جائے تاکہ وہ خود اس کی اہمیت کے بارے میں اندازہ لگا سکیں۔

اس کانفرنس کے انعقاد سے کافی عرصہ پہلے سعودی عرب کے مشہور شہر جدہ میں وہاں کی ایک ثقافتی انجمن "نادی البحر الاحمر" کے زیر اہتمام ایک علمی سیمینار منعقد ہوا تھا جس کی صدارت کے فرائض سعودی عرب کے علم دوست شہزادہ احمد بن عبدالعزیز نے سرانجام دیئے تھے۔ اس میں دوسرے موضوعات

کے علاوہ اسلام میں مساجد کے اصل مقام کے بارے میں بھی ایک اہم مقالہ پیش کیا گیا۔ مقالہ پیش کرنے والے دنیائے عرب کے ایک روشن خیال عالم دین شیخ محمد المنتصر الکتانی تھے۔ اس مقالے میں اسلام میں مسجد کے اصل مقام کے بارے میں بڑی عالمانہ بحث کی گئی تھی جس کا خلاصہ خود مقالہ نگار کے الفاظ میں یوں ہے:-

"وكان المسجد في الاسلام مسجداً للصلوة ركعا وسجودا، وللعبادة ذكراً وتلاوة واعتكافا وجامعاً لاجتماع الناس والخطابة فيهم كل جمعة وعند ما يحز بهم امر۔ وجامعة للكبار لالقاء العلوم وتلقيها۔ ومدرسة للصغار للقراءة والكتابة ونادياً لتناشد الاشعار والادب والحديث والمذاكرة ومحكمة للقضاء والفتوى ومعتقلاً للاسرى والخاطئين ودارا للضيافة وملجأ للفقراء وطعاما للمساكين ودار سكنى ومنامة لمن لا اهل له ومتسنن ودارا للتمريض۔ ودارا لحقد الزواج ومصنعا للسلاح وبيت مال للمسلمين والقسمة بينهم وما ربّ اخرى"

(اخبار العالم الاسلامی بابت ۱۷ رمضان ۱۳۹۵ھ ص۱)

(ترجمہ) صدر اسلام میں مسجد صرف نماز کے رکوع و سجود یا اعتکاف، تلاوت اور ذکر و اذکار کے لئے مخصوص نہ تھی، بلکہ یہ:-

۱- جمعہ شریف کے اجتماع کے علاوہ جب مسلمانوں پر کوئی مشکل آ پڑتی تو وہ اس میں جمع ہوتے، جہاں خطاب وغیرہ کے ذریعے اس مشکل کو حل کیا جاتا۔

۲- بالغ لوگوں کے لئے یونیورسٹی کا کام دیتی۔ جہاں یہ لوگ علم حاصل بھی کرتے تھے اور تعلیم بھی دیتے تھے۔

۳- چھوٹے بچوں کے لئے یہ ابتدائی مدرسہ تھی، جہاں وہ لکھنا پڑھنا سیکھتے تھے۔

۴- شعر و ادب کی مجلسیں بھی اسی میں منعقد ہوتی تھیں۔

۵- اور سمیناروں میں علمی بحث مباحثے ہوتے تھے۔

۶- قاضی انہی مساجد میں انصاف کرنے کے لئے اپنی عدالتیں لگاتے تھے۔

۷- مجرموں اور قیدیوں کے لئے جیل خانے کے طور پر استعمال ہوتی تھیں۔

۸- ضرورت پڑنے پر سرکاری مہمان اس میں ٹھہرائے جاتے تھے۔

۹- غریبوں کے لئے پناہ گاہ کا کام دیتی تھی۔

۱۰- اور مساکین کو یہیں سے کھانا ملا کرتا تھا۔

۱۱- جن لوگوں کا کوئی گھر بار نہیں تھا۔ یہ ان کے لئے رہائش گاہ کا کام دیتی تھی۔

۱۲۔ مریضوں کے لئے بطور ہسپتال استعمال میں لائی جاتی۔
۱۳۔ شادی بیاہ مسجد ہی میں سرانجام پاتے۔
۱۴۔ یہی مسلمانوں کا اسلحہ خانہ تھا۔ جہاں اسلحہ بنایا بھی جاتا اور محفوظ بھی رکھا جاتا تھا۔
۱۵۔ بیت المال بھی اسی میں ہوتا۔ جہاں سے مسلمانوں کو تنخواہیں وغیرہ تقسیم کی جاتیں۔
۱۶۔ اِن کے علاوہ جو معاملہ بھی پیش آتا اسے اسی مسجد میں حل کیا جاتا۔

سمینار کے صدر شہزادہ احمد بن عبدالعزیز نے شیخ محمد منتصر الکتانی کے اس مقالے کو بے حد پسند کیا، اور فرمایا کہ اگر صدرِ الاسلام میں مسجد ان تمام مقاصد کے لئے استعمال ہوتی تھی تو کیوں نہ اسے اس کا یہ کھویا ہوا مقام واپس دلوایا جائے، تاکہ مسلم معاشرہ کی اصلاح ہو سکے۔ چنانچہ اسی خواہش کے پیشِ نظر انہوں نے اس خاص موضوع پر ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس بلوانے کا فیصلہ کیا۔ تاکہ مسجد کا یہ مقام دنیا کے تمام کونوں کے مسلمانوں تک پہنچ جائے۔ چنانچہ انہی کی ایما پر رابطۃ العالم الاسلامی مکۃ المکرمہ نے "مؤتمر رسالۃ المسجد" کے نام سے اس عالمی اسلامی کانفرنس کا اہتمام کیا۔ جو ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ سے ۲۰ رمضان المبارک تک مکہ مکرمہ میں منعقد ہوئی اور جس میں ساری دنیا کے سرکاری و غیر سرکاری وفود شامل ہوئے۔ چونکہ یہ کانفرنس شہزادہ احمد بن عبدالعزیز کی خواہش پر بلائی گئی تھی، اس لئے شاہ خالد کی نیابت کرتے ہوئے انہوں نے خود اس کا افتتاح بھی فرمایا۔

اس کانفرنس کا بنیادی مواد یہی شیخ الکتانی کا مقالہ تھا جسے مختلف عنوانات میں تقسیم کر دیا گیا اور وفود میں بھی تقسیم کیا گیا۔ اس کانفرنس کے بارے میں رابطہ کے ترجمان اخبار "العالم الاسلامی" نے جو ۳۴ صفحات پر مشتمل خصوصی شمارہ شائع کیا، اس میں بھی کانفرنس کی کارروائی کے ساتھ شیخ محمد المنتصر الکتانی کے مذکورۃ الصدر مقالے کو دوبارہ بنیادی حیثیت سے شائع کیا گیا۔ شیخ موصوف نے اپنے مقالے میں ہر مقام پر اسلامی لٹریچر سے بڑے مستند حوالے دیئے ہیں۔ یوں تو اس مقالہ کو پورے کا پورا اُردو زبان میں منتقل کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن چونکہ فی الحال طلوعِ اسلام کے صفحات میں اتنی گنجائش نکالنی ممکن نہیں اس لئے ہم نے صرف اس کے خلاصے پر اکتفا کیا ہے۔ تاہم کسی آئندہ صحبت میں اس مقالے کا مکمل ترجمہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔

یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ کانفرنس کی کارروائی انہی اہم موضوعات پر گردش کرتی رہی اور وہ طریقے اور ذرائع زیرِ بحث لائے گئے جن کے ذریعے اسلامی مساجد کو ان کا کھویا ہوا مذکورہ بالا مقام دوبارہ دلوایا جا سکے۔ چنانچہ اس خواہش پر عمل درآمد کے لئے کئی قراردادیں پاس ہوئیں۔

ہمارے نزدیک یہ تحریک بڑی جرأت مندانہ ہے اور ہر سچے مسلمان کی دل کی آواز ہے، اور وہ چاہتے ہیں کہ مسجد کو وہ مقام دوبارہ مل جائے جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ تاہم جن لوگوں نے مساجد پر قبضہ کر رکھا ہے اور ان کے مفادات اس سے وابستہ ہیں۔ ان کے لئے بصورتِ حالات خاصی تکلیف دِہ ہوگی، کیونکہ اس سے ان کی اجارہ داری ختم ہو جائے گی جس سے اُن کے

مفادات متاثر ہوں گے۔ . . . . اس لئے وہ قدرتی طور پر اس اسکیم کی مخالفت کریں گے۔ اور یہی اہم وجہ ہے جس کی بنا پر ہمارے ملک میں اس اہم کانفرنس کی کارروائی کو سامنے نہیں لایا گیا، اور حقیقت پر دیدہ دانستہ پردہ ڈال دیا گیا۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس کانفرنس میں پاکستان کے سرکاری اور غیر سرکاری دونوں وفود شامل ہوئے۔ لیکن کانفرنس کے بارے میں اخبار العالم الاسلامی نے جو خصوصی ضخیم شمارہ شائع کیا۔ اس میں نہ تو ان وفود کا، اور نہ ہی ان کی کسی کارروائی کا ذکر ہے، حالانکہ روسی وفد جسے سعودی عرب میں اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھا جاتا، تک کے تاثرات اس میں شامل ہیں۔ پاکستانی وفود نے اپنی کارگزاری کی جو خبریں ملکی پریس میں شائع کرائی ہیں، ان کا کانفرنس کے موضوعات سے بہت کم تعلق تھا۔ مثلاً غیر سرکاری وفد کی سرکردہ شخصیت امیر جماعت اسلامی پاکستان تھے۔ ہم ان کا ذکر اس لئے کر رہے ہیں کہ ان کی جماعت نے عرب ممالک کے حالات و معاملات پر تحقیق کے لئے ایک خصوصی شعبہ "دارالعروبۃ" قائم کر رکھا ہے۔ لیکن مقام حیرت ہے کہ اس کے امیر کو بھی کانفرنس کے مقاصد کا صحیح علم نہیں تھا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں (جو کسی عرب اخبار میں تو شائع نہیں ہوئی، البتہ ملکی اخبار، نوائے وقت کی ۲۵ ستمبر ۱۹۷۵ء کی اشاعت میں شائع ہوئی) اس امر پر زور دیا کہ مساجد کو سرکاری کنٹرول سے آزاد رکھا جائے۔ حالانکہ اکثر عرب اور اسلامی ملکوں میں مساجد شروع ہی سے سرکاری انتظام کے تحت ہیں۔ دیگر عربی اخبارات سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہاں پاکستان کی جانب سے کوئی مقالہ پڑھا نہیں گیا۔ البتہ ان کی نقول مندوبین میں تقسیم کی گئیں، جس کی کسی حد تک تصدیق ۲۶ ستمبر ۱۹۷۵ء کے نوائے وقت سے بھی ہوتی ہے۔

بہرحال چاہے مقالے پڑھے گئے ہوں یا ان کی نقول تقسیم کی گئی ہوں، ہمارے نزدیک اس کانفرنس کی اصل اہمیت اس کے موضوع یعنی مساجد کو اسلامی معاشرے میں اس کا اصل مقام دلانا تھا، جس پر پورے چھ دن بحث و مباحثہ ہوتا رہا۔ لیکن ہمارے وفود نے وطن واپس آکر قوم کو ان تفصیلات سے آگاہ نہ کیا۔ اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔ یا تو یہ کہ ہمارے وفود کے ارکان عربی زبان سے نابلد ہوں، اور یا یہ کہ انہوں نے مساجد کے اجارہ دار مولویوں کے ڈر سے قوم کے سامنے کانفرنس کی اصل کارروائی پیش کرنا مناسب نہیں سمجھی۔ جو صورت بھی ہو وہ قوم کے لئے بدقسمتی کا باعث ہے، کیونکہ ایسی کانفرنسیں روز روز منعقد نہیں ہوتیں۔

ہمارے خیال میں اگر اس کانفرنس کی قراردادوں پر عمل کرتے ہوئے اسلامی معاشرہ میں مساجد کو ان کا اصلی مقام واپس دلوایا جا سکے۔ یعنی وہ اصلی مقام کہ جس کا خلاصہ ہم شیخ الکتانی کے الفاظ میں مضمون کے شروع میں ملاحظہ کر چکے ہیں، تو امت مسلمہ کی بہت سی مصیبتیں دور ہو سکتی ہیں۔ خاص طور پر جب مساجد کمیونٹی سنٹر بن جائیں گے تو ہماری سب سے بڑی برائی یعنی

موجودہ فرقہ بندی آہستہ آہستہ ختم ہو جائے گی۔ انہی نیک خواہشات کی بنا پر ہم نے اس کانفرنس کی کارروائی کا مختصر تعارف کرانے کی ضرورت سمجھی ہے۔

طلوع اسلام مسجد کو اس کا یہ صحیح مقام اسی صورت میں مل سکتا ہے، اور صرف اسی صورت میں ملنا چاہیئے جب مملکت اسلامی (قرآنی) ہو۔ ورنہ اگر صورت یہ ہو کہ مملکت ہو سیکولر (جیسی آج کل کی مسلمانوں کی مملکتیں ہیں) مساجد پر قبضہ ہو مذہبی پیشوائیت کا اور انہیں قرار دے دیا جائے ایسے اہم اور وسیع ملی مقاصد کا مرکز، تو اس سے ملت بیچاری کا جو حشر ہوگا، ظاہر ہے!۔

شاہکارِ رسالتؐ

عمر فاروقؓ

(اپنے انداز کی منفرد کتاب)

اکثر سوالات اُبھرتے ہیں کہ:۔

- اسلام کا معاشرتی، تمدنی، عسکری، سیاسی، معاشی نظام کیا ہے؟
- کیا یہ نظام کبھی عملی شکل میں قائم بھی ہوا تھا؟
- اگر قائم ہوا تھا تو کب؟ اور اس کا انداز کیا تھا؟

پھر اس قسم کے سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ:۔

- اگر یہ نظام قائم ہوا تھا، تو پھر آگے کیوں نہ چلا؟
- وہ نظام (یعنی دین) موجودہ مذہب میں کس طرح تبدیل ہو گیا؟
- عجمی سازش سے کیا مراد ہے؟
- اب صحیح اسلامی نظام کے احیاء کی صورت کیا ہو سکتی ہے؟

ان سوالات کا نہایت مدلل، مستند، معقول، اطمینان بخش جواب اس کتاب میں ملے گا۔ جو مفکرِ قرآن جناب پرویز صاحب کی مدت العمر کی تحقیقاتی کاوش اور عمیق غور و فکر کا نتیجہ ہے۔

نیز اس میں فقہ، حدیث، امامت، تصوف، کشف و الہام، دعوائے ماموریت اور ختمِ نبوت کے متعلق تاریخی مباحث اور حیرت انگیز انکشافات ملیں گے ـــــ بڑے سائز کے قریب چھ سو صفحات پر مشتمل تصنیف، سفید کاغذ، مضبوط جلد، جاذبِ نگاہ گرد پوش۔ قیمت -/۲۵ روپے (علاوہ محصول ڈاک)

ادارہ طلوع اسلام ۲۵/بی گلبرگ ۲ لاہور (۲) مکتبہ دین و دانش۔ چوک اردو بازار۔ لاہور

چشمِ اشکبار

شیخ عبدالحق صاحب۔ ایڈووکیٹ لاہور

(محترم شیخ عبدالحق، ایڈووکیٹ، سپریم کورٹ، ہمارے ہاں حلقہ میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اعلیٰ فنّی صلاحیتوں کے علاوہ، ذاتی زندگی میں حسنِ معاشرت و شرافت، سینہ دردِ اسلام سے لبریز؛ اور حق گوئی و بے باکی جیسی جنس گراں مایہ، جو ہمارے ہاں آج کل نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے، ان کی خصوصیات ہیں۔ گذشتہ نومبر میں، لاہور ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے وکلا صاحبان کی طرف سے، سپریم کورٹ کے (سابقہ) چیف جج، محترم حمود الرحمٰن کے اعزاز میں ایک الوداعی تقریب کا انعقاد ہوا۔ اس میں شیخ عبدالحق صاحب نے جو تقریر فرمائی، اس کا خاصا چرچا رہا۔ اب وہ تقریر صحیفہ (P.L.D) کے دسمبر ۱۹۷۵ء کے شمارہ میں چھپ کر ہمارے سامنے آئی ہے۔ اگرچہ وہ ساری تقریر بڑی دلکش اور جاذبِ توجہ ہے۔ لیکن اس کا ایک حصّہ ایک ایسی حقیقت کو سامنے لاتا ہے جو طلوعِ اسلام کے نزدیک بڑی اہمیت کی حامل اور خصوصی غور و فکر کی متقاضی ہے۔ ذیل میں تقریر کے اس حصّہ کا ترجمہ (P.L.D کے شکریہ کے ساتھ) ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔ طلوعِ اسلام)

خواتین و حضرات!

تغیر، فطرت کا غیر متبدل قانون ہے۔ جس کی زد سے کوئی بھی باہر نہیں رہ سکتا۔ اقبالؒ نے اس حقیقت کو بڑے حسین انداز میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ:

ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

ہم سب کو اس قانونِ فطرت کے سامنے طوعاً و کرہاً سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ خوش قسمت ہے وہ انسان، جو فطرت کے اس قانون کو اپنی نگہِ قلب کے سامنے رکھتا ہے اور جب وہ صاحبِ اقتدار ہوتا ہے تو اپنے ہر قول اور عمل کو اس احساس و شعور کے تابع رکھتا ہے کہ زود یا بدیر، مجھے اس مسندِ اقتدار کو چھوڑنا ہے، اور اس کے بعد اپنے چھوٹے بڑے تمام اقوال و اعمال کا حساب دینا ہے۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے۔

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ - وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ -

(۹۹/۷-۸)

جو شخص ایک ذرہ برابر بھی نیک عمل کرے گا، وہ اس کے سامنے آ جائے گا۔
اور جو ذرہ برابر بھی برائی کرے گا، وہ اسے بھی دیکھ لے گا۔

یہ خدا کا قانونِ مکافاتِ عمل ہے جو کسی فرد، قوم یا مملکت کو نہیں بخشتا۔ ہر ایک پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں افراد آتے ہیں اور افراد جاتے ہیں، لیکن ادارے اپنی جگہ قائم رہتے ہیں — اس خوش بخت انسان کی زندگی قابلِ رشک ہے۔ (خواہ اس کا تعلق زندگی کے کسی میدان سے ہو) جو اپنے پیش رو کی جگہ لینے کے بعد، نہ تو اس کے تعمیری کارناموں کو تباہ کرے اور نہ ہی ان کی تندہی و قیمت کو کم کرے۔ اور اس کے بعد، جب اپنے وقت پر اس منصب کو چھوڑے تو اس طرح کہ جس حالت میں اس نے اسے پایا تھا، وہ اس سے بہتر شکل میں ہو۔ جہاں تک ہمارے ملک کی سیاسی زندگی کا تعلق ہے۔ بدقسمتی سے، ان بنیادی اصولوں کو نہ صرف نظر انداز کیا گیا ہے۔ بلکہ انہیں بُری طرح پاؤں تلے روندا گیا ہے۔ گزشتہ قریب پچیس سال سے ہمارے ارباب نظم و نسق کے اقوال و اعمال میں دو چیزیں بڑی نمایاں نظر آئیں گی — ایک تو یہ کہ جو شخص یا پارٹی، مسندِ اقتدار سے الگ ہو جائے اس کی تحقیر و تذلیل اور دوسرے اپنے متعلق جھوٹا احساسِ سالمیت۔ (یہاں انداز یہ چلا آ رہا ہے کہ) ہر آنے والا، اپنے پیشرو کی ایسی تصویر کھینچتا ہے جیسے وہ انتہائی فریبکار اور ملک اور قوم کا بدترین غدار تھا اور اس قابل کہ اسے پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جائے — اگر ہم اہلِ پاکستان چاہتے ہیں کہ "جمہوریت" یا "پارٹی گورنمنٹ" جیسے الفاظ بامعنی ہو جائیں یا وہ رسوائے زمانہ اصطلاح — ملک اور قوم کے مفاد ہیں۔ جو ہر اس شخص کا تکیہ کلام بن جاتی ہے، جو جائز یا ناجائز، آئینی یا غیر آئینی، طریق سے اقتدار حاصل کرلے، بامقصد بن جائے، تو ہمیں انگلستان کی تاریخ سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ اس مقصد کے لئے ہمیں اس ملک کے شاہنشاہ (JOHN) یا ملکہ اپنے (ANNE) یا ملکہ وکٹوریہ کے قدیم عہد کی طرف جانے کی ضرورت نہیں۔ اس زمانے میں تو کیفیت یہ تھی کہ مملکتِ برطانیہ تمام دنیا کی امیدوں کا مرکز بن رہی تھی۔ کرۂ ارض کے کسی خطے میں کسی شخص پر بھی ظلم و زیادتی ہوتی وہ اس مملکت کو مدد کے لئے پکارتا۔ ان لوگوں کو، ان کی اسی انصاف پسندی اور حسنِ معاملہ کا خدا کی طرف سے یہ صلہ ملا کہ اس نطفے سے ملک کو "سمندروں کی ملکہ" کا خطاب ملا، اور ایسی وسیع سلطنت جس پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا۔ میں آپ کے سامنے اس قوم کے اس زریں عہد کی مثالیں پیش نہیں کرنا چاہتا۔ اس کے بعد اس قوم میں عدل و انصاف کا وہ احساس باقی نہ رہا اور اس کا مظاہرہ "جلیانوالہ باغ" جیسے وحشیانہ ہوش ربا سانحہ سے ہوا۔ قرآن کریم کا فیصلہ ہے کہ جب قومیں اس طرح کے ظلم و استبداد پر اتر آئیں اور اپنی اس روش پر مصر رہیں تو وہ تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ قوموں کے عروج و زوال کے اس ابدی قانونِ خداوندی کی رُو سے، مملکتِ برطانیہ بھی رو بہ زوال ہو گئی۔ بین الاقوامی رزم گاہ میں اس کی وہ

پہلی سی آب و تاب باقی نہ رہی، حتیٰ کہ اب اس کا شمار دوسرے درجے کی قوموں میں بھی نہیں ہوتا۔ (تاہم ہمہ انہوں نے اپنی داخلی سیاست میں اپنی سابقہ روایات کو قائم رکھا ہے، اور) میں آپ کے سامنے ان کے موجودہ زمانے ہی کی مثالیں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

۱۹۴۵ء کے پارلیمانی الیکشن کے زمانے میں، میں حسنِ اتفاق سے انگلینڈ میں تھا۔ رائے شماری کے دن، ہر دو گھنٹے کے بعد، ریڈیو سے انتخابات کے نتائج نشر ہوتے تھے۔ ساڑھے تین بجے کے قریب جبکہ ہنوز کئی ایک حلقہ ہائے انتخاب کے نتائج سامنے نہیں آئے تھے، ایسا اندازہ ہوا کہ چرچل ہار رہا ہے۔ (آپ چرچل کی زمانہ جنگ کی شہرت کو سامنے رکھیئے) وہ انتخاب میں شریک ہی اس امید پر ہوا تھا کہ وہ چونکہ جنگ کا ہیرو ہے اس لئے اسے شاندار کامیابی حاصل ہو گی۔ لیکن اس کا اندازہ غلط تھا۔ وہ قوم مسلسل جنگوں سے تنگ آ چکی تھی اور انہیں خطرہ تھا کہ اگر چرچل پھر برسرِ اقتدار آ گیا تو انہیں کسی اور جنگ کے میدان میں دھکیل دے گا۔

ریڈیو کے مندرجہ بالا اعلان کے بعد، دوسرا اعلان یہ نشر ہوا کہ اگرچہ انتخابات کے آخری نتائج ہنوز مرتب نہیں ہوئے، لیکن چرچل نے اپنا استعفےٰ پیش کر دیا ہے اور شاہِ انگلستان نے اٹیلی کو (جدید حکومت متشکل کرنے کے لئے) طلب کر لیا ہے۔ جب رائے شماری کے آخری نتائج کا اعلان ہوا اور چرچل کو شکست ہو گئی، تو وہ ریڈیو پر آیا اور اس نے اپنی تقریر میں کہا کہ:-

میری قوم کو مبارک ہو۔ انتخابات نہایت منصفانہ ہوئے ہیں۔

ایسا چرچل ہی نے نہیں کہا۔ ملک کے کسی گوشے سے کوئی خفیف سا اشارہ بھی ایسا نہیں ہوا جس سے مترشح ہوتا کہ الیکشن میں کسی قسم کی بے ضابطگی ہوئی ہے۔ (حالانکہ چرچل کا ہار جانا کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا!) اس قوم کو مستحقِ مبارکباد قرار دینے کے لئے یہ بات بھی کچھ کم اہم نہ تھی۔ لیکن اس کے بعد نئی کابینہ کی تشکیل کے وقت جو واقعہ پیش آیا، اس نے اس قوم کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے۔

دارالعوام کی روایت کے مطابق، جب نئی پارلیمان کا انتخاب ہو تو خریطۂ اعزاز (ROLL OF HONOUR) پر پہلے، پارلیمان کا اسپیکر دستخط کرتا ہے۔ پھر وزیرِاعظم اور پھر مختلف وزراء (اپنی سینیارٹی کے لحاظ سے) ان کے بعد حزبِ اختلاف کا لیڈر دستخط کرتا ہے، اور بعد ازاں، حروفِ تہجی کی ترتیب سے، پارلیمان کے ارکان۔ جب اس خریطہ پر، اسپیکر نے دستخط کر دیئے، تو بجائے اس کے کہ، اس کے بعد، اٹیلی، بہ حیثیت وزیرِاعظم، خود دستخط کرتا، اس نے یہ قرطاس چرچل کی طرف بڑھا دیا اور اس سے درخواست کی کہ پہلے وہ دستخط کرے۔ چرچل نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے قوم نے مسترد کر دیا ہے اس لئے میں وزراء کے بعد دستخط کروں گا۔ اٹیلی نے جواب دیا کہ اس میں شبہ نہیں کہ جنگ کی وجہ سے پیدا شدہ

حالات کی بناء پر چرچل انتخاب میں ہار گیا ہے لیکن بایں ہمہ وہ بدستور قوم کا ہیرو اور مملکت کا فردِ اوّلیں (FIRST MAN) ہے، اس لئے اسپیکر کے بعد اُسی کو دستخط کرنے چاہئیں نہ کہ مجھے ——

دونوں اپنی اپنی جگہ مُصر تھے۔ نتیجہ یہ کہ اس گتھی کو سُلجھانے کے لئے، معاملہ بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اور بادشاہ نے اُسے باوقار طریق سے سلجھا دیا۔ اس نے کہا کہ روایت کا تقاضا بے شک وہی ہے جسے چرچل نے پیش کیا ہے لیکن یہ روایات بالآخر قوم ہی کی وضع کردہ ہیں۔ اور جب قوم اپنے نمائندہ 'اٹیلی' کی وساطت سے ایک روایت میں تبدیل کرنا چاہتی ہے تو اسے ایسا کرنے کا حق حاصل ہے۔ لہٰذا چرچل کو اس تبدیلی پر رضامند ہو کر، پہلے دستخط کر دینے چاہئیں۔ (یہ تھی اس قوم کی حالت اس زمانے میں جب وہ آمادہ بہ زوال تھی۔)

اُسی زمانے میں مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ (اپنے زمانۂ وزارتِ عظمیٰ کے دوران) چرچل تمام بین الاقوامی کانفرنسوں اور مذاکروں میں، (حزبِ مخالف کے لیڈر) اٹیلی کو ہمیشہ اپنے ہمراہ لے جایا کرتا اور اٹیلی بھی بلا پس و پیش اس کے ہمراہ چلا جاتا۔ چرچل کے اپنے رفقاء اس سے اکثر کہتے کہ اسے اپنے حریف کو اس قدر اہمیت نہیں دینی چاہئے۔ اس کے جواب میں چرچل کہتا کہ مجھے اس منصب پر ابدالآباد تک تو فائز نہیں رہنا۔ مملکت کے مفاد کا تقاضا ہے کہ جس شخص نے میرا جانشین بننا ہے اسے امورِ مملکت سے متعلق تمام اسرار و رموز کا علم ہو۔ اس لئے کہ حقیقی اہمیت ملک اور مملکت کو حاصل ہے، اور ہمیں اس کی حفاظت کرنی چاہئے —— اُسے ذاتی ہوسِ اقتدار کی قربان گاہ پر ذبح نہیں کر دینا چاہئے —— اور تاریخ کے طالب علموں سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ چرچل نے جو مسلک اختیار کیا تھا وہ اس قوم کی تاریخ میں جدت نہیں تھی۔ اس باب میں وہ اپنے پیشروؤں کے نقشِ قدم کا اتباع کرتا تھا، اور اس کے جانشین اس کی روایت کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ ہے وہ انداز جسے وہ سیاسی راہ نما اختیار کرتے ہیں جن کے دل میں ملک اور قوم کی بہبود کا جذبہ موجزن ہوتا ہے، اور جو اپنے تغلّب کے لئے اقتدار حاصل نہیں کرتے بلکہ قوم کی خدمت کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ وہ برسرِاقتدار ہوں یا اقتدار سے محروم، جن معاملات میں قوم کا مفاد مضمر ہو، وہ ان میں ایک دوسرے سے پورا پورا تعاون کرتے ہیں۔ جو برسرِاقتدار آئیں، وہ کبھی اپنے پیش رؤں کی خدمات کی قدر و قیمت کم نہیں کرتے، نہ ہی وہ اپنے محلات، اپنے ان پیش رؤں کی قبروں پر استوار کرتے ہیں جنہیں انہوں نے، بعد از مقابلہ یا ایسے ہی باہر نکال دیا ہو۔ اور ان کے اس مسلک کے پیشِ نظر، قوم ان دونوں کو جھک کر سلام کرتی ہے —— یعنی انہیں بھی اور ان کے پیش رؤں کو بھی۔ ہمارے ہاں کے سیاسی رہنماؤں، پبلک کے دیگر نمائندوں، حتیٰ کہ حکومت کے ملازمین کو بھی چاہئے کہ وہ، (کسی بلند جذبہ کے ماتحت نہیں تو کم از کم اپنے مفاد کے پیشِ نظر ہی) سعدی کی اس نصیحت پر عمل پیرا ہوں کہ:

نامِ نیکِ رفتگاں ضائع مکن تا بماند نامِ نیکت برقرار

خواتین و حضرات!

اِس کے برعکس جو روش ہمارے ہاں عام ہو رہی ہے کیا وہ اُن تمام لوگوں کے لئے وجہِ صد اضطراب نہیں، جو مملکتِ پاکستان کی حفاظت اور سالمیت کا جذبہ اپنے دل میں رکھتے ہیں ـــــ وہ مملکت جسے ہم نے ایسی قربانیوں کے بعد حاصل کیا جس کی نظیر تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ یہاں یہ ہو رہا ہے کہ جب تک کوئی شخص برسرِاقتدار رہتا ہے، اس کا ماضی کتنا ہی گھناؤنا کیوں نہ ہو، اُسے شرافت اور نجابت کا پیکر، دیانت اور امانت کا مجسمہ اور اُن تمام خوبیوں کا حامل قرار دیا جاتا ہے جو کسی اعلیٰ پائے کے سیاستدان اور جانثار محبِ وطن میں ہونی چاہئیں ـــــ لیکن جونہی وہ اِس کرسی سے نیچے اُتر آتا ہے، یا اُسے دھکیل کر اُتار دیا جاتا ہے، تو اُسے شیطانِ لعین قرار دے دیا جاتا ہے۔ اور، اس کے جواب میں وہ، ان معترفین کی گالیوں کا جواب، اصل اور سود، دونوں کو ملا کر اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً کی صورت میں دیتا ہے۔ اسی طرح جو شخص کسی ذاتی مایوسی (وغیرہ) کی بنا پر برسرِاقتدار پارٹی سے علیحدگی اختیار کر لیتا ہے اور اُسے کوئی بلند منصب چھوڑنا پڑتا ہے، یا اُسے اس کی پارٹی اِس بنا پر الگ کر دیتی ہے کہ وہ اس پارٹی کی پالیسی کے واضعین کے نزدیک قابلِ قبول نہیں رہتا، تو وہ اپنے محسن کو ـــــ اُس محسن کو، جس نے اُسے اِس شہرت اور عظمت کا حامل بنا دیا تھا، دائیں اور بائیں سے لتاڑنا شروع کر دیتا ہے اور اپنے اس سابقہ ہیرو اور لیڈر کے مبینہ جرائم کا ڈھنڈورہ پیٹنے لگ جاتا ہے۔ جب اس سے کہا جاتا ہے کہ تم نے خود اپنے دورِ حکومت میں اس قسم کی بے ضابطگیاں کی ہیں تو وہ نہایت ڈھٹائی سے جواب میں کہتا ہے کہ میں نے اِن جرائم کا ارتکاب خود نہیں کیا۔ اس لیڈر (ڈکٹیٹر) کے حکم کے تابع، مجبوراً ایسا کیا ہے۔ یہ شرمناک ٹیکنیک ایسی ہے جس کی مثال دنیا کی پارٹی گورنمنٹ کی تاریخ کے تاریک ترین دور میں بھی نہیں ملتی۔ یہ کچھ کرنے کے بعد یہ شخص "سرکاری گواہ" کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور پھر (اپنے سابقہ رفقاء اور لیڈر) پر ہر قسم کے شرمناک الزامات عائد کرتا چلا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ فریقِ مخالف کی طرف سے بھی اُسے اسی قسم کا جواب ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی روش اِن فریقین میں سے کسی کے لئے بھی موجبِ ستائش قرار نہیں پا سکتی۔ انہی سے ہماری پبلک نے بھی یہ سبق سیکھ لیا ہے کہ مفادِ خویش کا تقاضا یہی ہے کہ مرغِ بادنما بن کر رہیئے، اور ـــــ چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی ـــــ کی منافقانہ روش اختیار کرو۔ یہ روش ان کی ہوتی ہے جو کچھ آواز بلند کر سکتے ہیں۔ باقی رہے بیچارے بے زبان عوام، تو چونکہ ان کے پاس اِن الزامات کی تحقیق و تفتیش کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا، اس لئے ان کے لئے اِس کے سوا کوئی چارۂ کار ہی نہیں ہوتا کہ وہ فریقین کے تراشیدہ الزامات کو درست تسلیم کر لیں۔ اِس کا نتیجہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

(اس کے بعد مجھے ایک اور گذارش بھی کرنی ہے) عہد حاضر میں مملکت کے چار عناصرِ ترکیبی ہوتے ہیں۔ مقننہ، انتظامیہ، عدلیہ اور فوج۔ پاکستان میں جو شخص بھی کسی طریق سے اپنے غیر قانونی ذاتی مفاد کی خاطر ان چار عناصر میں سے کسی ایک کو، بالخصوص عدلیہ کو کمزور کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ ملک کا بدترین دشمن اور باغی ہے۔ اسے میں شاعر کی زبان میں صرف اتنی وارننگ دینا چاہتا ہوں کہ ؎

اے چشمِ اشکبار ذرا دیکھ تو سہی! یہ گھر جو جل رہا ہے کہیں اپنا گھر نہ ہو

طلوع اسلام محترم شیخ صاحب نے اپنی تقریر کے آخری حصہ میں جو کچھ کہا ہے ـــــ یعنی فریقین کا جوتیوں میں دال بانٹنا ـــــ اس کی شہادت کے لئے کہیں دُور جانے کی ضرورت نہیں۔ حال ہی میں اس بدقسمت خطۂ زمین (پنجاب) میں جو کچھ ہوا ہے، وہ اس کی زندہ شہادت ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے ڈوب مرنے کے لئے یہی احساس کافی ہے کہ ہمارے نمائندے اس قسم کے لوگ ہیں!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ۝ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا

O ye who believe! Fear God as He should be feared, and die not except in a state of Islam. And hold fast, all together, by the Rope which God stretches out for you, and be not divided among yourselves.

PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED